اکوڑہ خٹک

الحق

نشاۃ اسلامیہ کا علمبردار علمی و دینی ماہنامہ

سرپرست

شیخ الحدیث حضرۃ مولانا عبدالحق مدظلہ

پی این ایس سی کے لئے قومی پرچم بردار جہازراں ادارہ ہونا کیا معنی رکھتا ہے؟

اب جبکہ پی این ایس سی کے جہاز دنیا کے تمام بڑے بندرگاہوں میں پاکستان کی نمائندگی کرتے ہیں ہم اپنی کارکردگی میں کوئی کسر نہیں چھوڑ سکتے۔ ہمیں اپنے تمام تر وسائل اور صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر قوم کو بہتر سے بہتر خدمت فراہم کرنا ہے۔
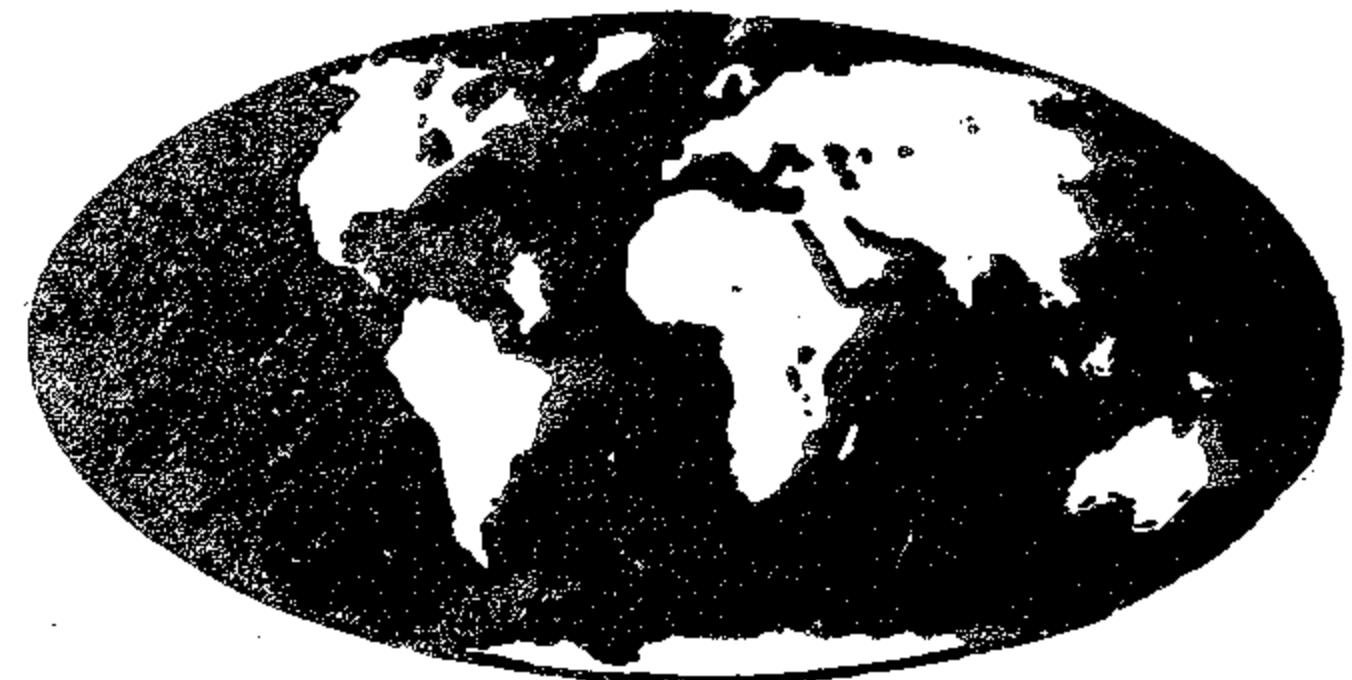
اس مقصد کے حصول کیلئے ہم پوری لگن کے ساتھ کام کر رہے ہیں۔ قومی پرچم بردار جہازراں ادارہ ہونے کے اعزاز نے ہمیں ایک ایسا ولولہ بخشا ہے جس نے قوم کی طرف سے عائد کی ہوئی ذمہ داریوں کو پورا کرنے میں ہمیں کامیاب کیا ہے۔

Paragon ● PNSC-15

(PID Islamabad)

اے بی سی آڈٹ بیورو آف سرکولیشن کی مصدقہ اشاعت

لہٗ دعوۃ الحق

جلد نمبر ۲۲
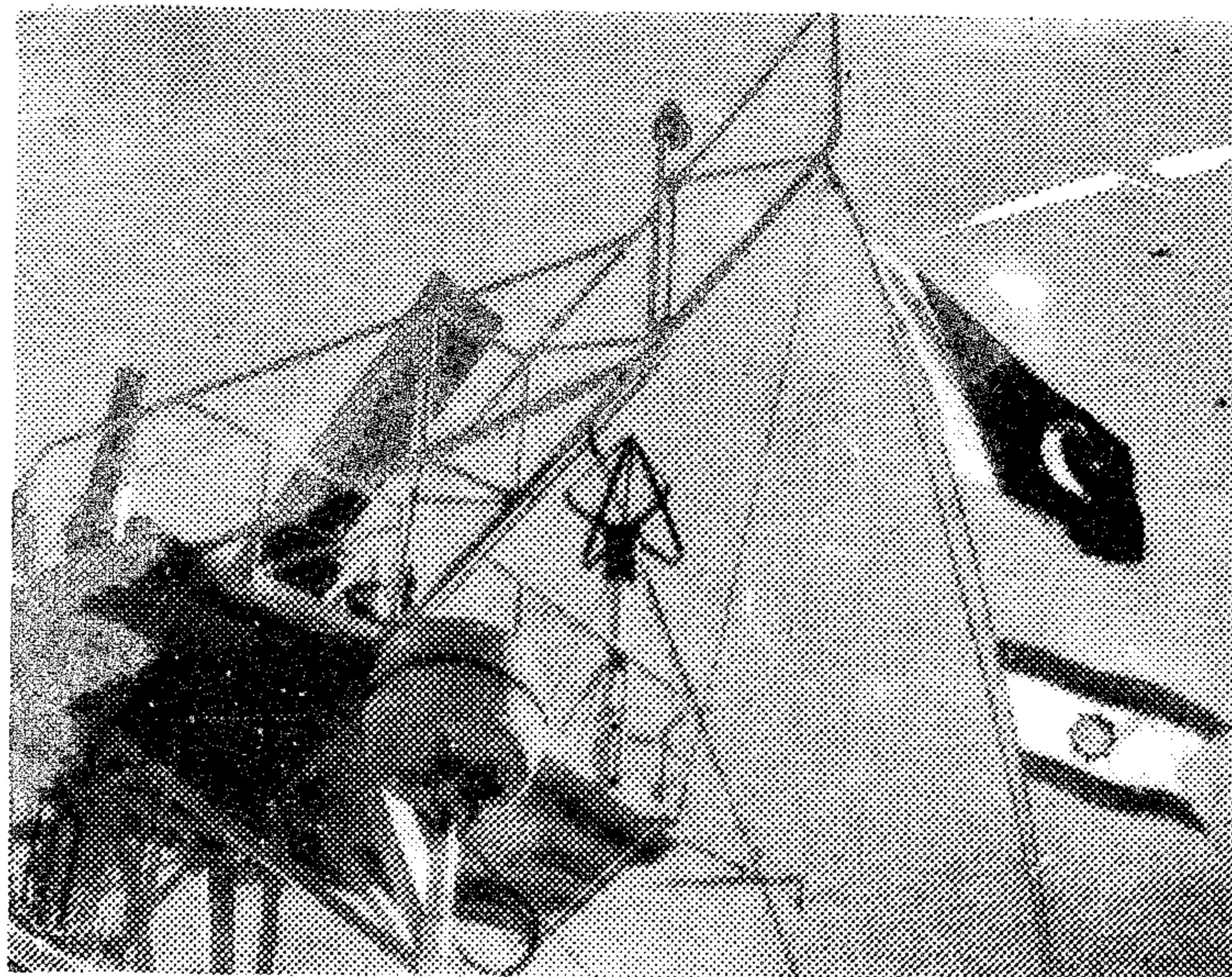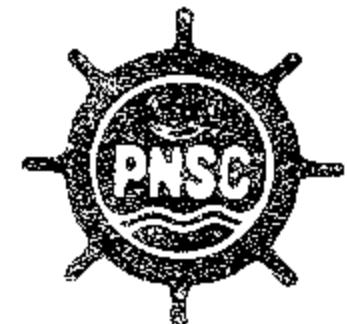
قرآن وسنت کی تعلیمات کا علمبردار

شمارہ ۴

فون نمبر ڈائرکٹ سسٹم 052317 — 340، 341، 342

جمادی الاول ۱۴۰۷ھ

جنوری ۱۹۸۷ء

ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک

مدیر ——— سمیع الحق

اِس شمارے میں

ادارہ

بدل اشتراک

پاکستان میں سالانہ	۴۰/۰۰ روپے	بیرون ملک بحری ڈاک	۶ پونڈ
فی پرچہ	۴/۰۰ روپے	" ہوائی ڈاک	۱۰ پونڈ

سمیع الحق استاد دارالعلوم حقانیہ نے منظور عام
پریس پشاور سے چھپوا کر دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک
سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقشِ آغاز

افغان حکومت کا اعلان جنگ بندی
مؤثر اور مضبوط لائحہ عمل کی ضرورت

غیرت وحمیت اور ایمان واسلام کی سرزمین افغانستان میں روسی تسلط، ظلم و بربریت، خون ریزی، درندگی وسفاکی، جبر واستبداد، شرمِ انسانیت، جارحانہ اور وحشیانہ کردار، انسانی ہمدردی اور اخلاقی قدروں سے عاری، ننگ شرافت۔ خدا بیزار اور سیاہ دل کمیونسٹوں کو آنسوؤں، کراہوں اور لہو میں گندھی ہوئی حصولِ اقتدار کی طویل اور لاحاصل جنگ کے دسمبر ۸۶ء میں سات سال مکمل ہو گئے۔

ڈیڑھ کروڑ آبادی والے اس ملک کے غیور باشندوں میں پچاس لاکھ سے زائد مسلمانوں کو ملک بدر کر دیا گیا۔ پندرہ لاکھ سے زائد مجاہدین کو شہید کر دیا گیا۔ بے گناہ شہری آبادیوں پر بمباری، ضعیف مردوں باپردہ عورتوں اور معصوم بچوں کے جسموں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دینا۔ زندوں کا گلا گھونٹنا۔ جیتے جاگتے انسانوں کو جلانا۔ زہریلی گیسوں اور کیمیاوی اسلحہ کا استعمال، غرض ہلاکت خیزی وآدم کشی کا وہ کونسا جدید سے جدید تباہ کن اسلحہ ہے جسے نہتے اور بے گناہ افغانیوں کی تباہی کے لئے استعمال نہیں کیا گیا۔

مگر الحمدللہ! کہ آزادی کی اتنی بڑی قیمت ادا کرنے کے باوجود بھی مجاہدین کے حوصلے نہیں ٹوٹے۔ سودائے شہادت کا عشق سر میں سمائے بڑی بے جگری اور پامردی کے ساتھ مزاحمت کے جگر پاش نظاروں، ظلم وبربریت کے بھڑکتے ہوئے شعلوں میں وہ دنیا کی سب سے بڑی طاقت کا مسلسل مقابلہ کر کے جہاد وحریت اور تحریکِ آزادی کی شمع کو فروزاں رکھے ہوئے ہیں۔

روس کی قوت، روس کی دھمکیاں، روس کے خطرناک منصوبے اور تباہ کن عزائم کا پُرزور پروپیگنڈہ اپنی جگہ مگر اس سے حق وباطل کے پیمانے تبدیل نہیں ہو سکتے۔ حق کا غلبہ اور باطل کی شکست قدرت کا اٹل فیصلہ ہے۔

کہ من فئۃ قلیلۃ غلبت فئۃ کثیرۃ باذن اللہ: تاہم سیاست وتدبیر، توکل علی اللہ، عزائم کی پختگی، نیت کی درستگی، وحدتِ امت، ربطِ ملت، باہمی اعتماد، اتحاد وتنظیم اور جہاد کا تسلسل نبوت کا پیغام ہونے کے پیشِ نظر امت مسلمہ کا اولین فریضہ ہے۔ بے نظم اور کمزور سہی مگر پھر بھی انہی اصولوں پر افغان مجاہدین

سات سال کے طویل عرصہ سے اپنے سے ہزار چند طاقت ور اور خونخوار دشمن کے ساتھ معرکہ کارزار میں نبرد آزما ہیں اس دور میں اور ایسی شجاعت واستقامت، کیا یہ کوئی کم غنیمت ہے ؎

شکست و فتح نصیبوں سے ولے اے میرؔ
مقابلہ تو دلِ ناتواں نے خوب کیا

بدر اور اُحد اور حنین و احزاب کی یاد تازہ کر دینے والے افغان مجاہدین کے ناقابل شکست عزائم، مومنانہ شجاعت اور سرفروشانہ جذبۂ جہاد و آزادی جہاں روسیوں کے لئے ایک ناقابل تسخیر حقیقت بن چکا ہے وہاں دنیا بھر کے مسلمانوں اور تمام عالم اسلام کے لئے آزمائش و ابتلاء اور امتحان کی ایک کسوٹی اور پرکھ و پہچان کا ایک خدائی معیار بھی قرار پایا ہے۔ حفیظ اللہ امین۔ ترہ کئی ببرک کارمل۔ ڈاکٹر نجیب اللہ۔ جی ایم سید اور اسی بلاک سے تعلق رکھنے والے خواہ افراد ہوں یا جماعتیں روسی گماشتے بن کر ناکام ہو گئے ہیں۔ اور اپنے لئے اخروی نحوستوں اور ابدی ہلاکت کے ذخائر جمع کر رہے ہیں۔

مگر ازلی سعادت مند اور نیک بخت مسلمان تمام مسلمانوں کے امت واحدہ، جسد واحد اور باطل کے مقابلہ میں بنیان مرصوص ہونے کے تصور کے پیش نظر افغانستان کے جہاد کی نہ صرف یہ کہ تائید و حمایت اور تبلیغ و اشاعت کر رہے ہیں بلکہ خود بھی عملاً شریک ہو کر ہر قسم کی جانی و مالی قربانی میں پیش پیش ہیں۔

بد قسمتی سے ہمارے ملک میں بھی روسی لابی سے تعلق رکھنے والے ضمیر فروشوں کا ایک ٹولہ جہاد و ہجرت کی مخالفت کی ادھار کھائے بیٹھا ہے۔ افغانستان پر روسی تسلط کے ساتویں سال کا اختتام ہو یا ڈاکٹر نجیب اللہ کا ۱۵ جنوری سے پُرفریب اعلانِ جنگ بندی، غرض کوئی بھی مناسب یا نامناسب موقعہ ہو ان کی حقیقی دلچسپی افغانستان کی آزادی روسی فوج کی واپسی اور افغان عوام کی آسودگی اور کامیابی سے نہیں ۳۰ لاکھ مہاجرین سے نجات پانے میں ہے۔

حیرت ہے کہ انگریز سامراج کے خلاف اپنی جدوجہد اور تحریک آزادی کا بڑے فخر سے ذکر کرنے والے بھی افغانستان سے روسی سامراج کے خلاف آزادی کی جنگ لڑنے والوں کو مطعون کرتے اور انہیں باغی اور غدار کہہ رہے ہیں ایسی باتیں مادہ پرست بے دین اور ملحدین تو کہہ سکتے ہیں مگر خود کو مسلمان کہلانے والوں کو یہ باتیں زیب نہیں دیتیں۔ افلاسِ فکر اور قلتِ ایمان کی انتہا ہے بلکہ شرم اور ڈوب مرنے کا مقام ہے کہ یہودیوں کا تو یہ حال ہو کہ ایتھوپیا کے قحط زدہ یہودی قبیلہ جس کے وجود تک سے دنیا ناواقف تھی مگر محض ہم عقیدہ ہونے کی بنیاد پر اسرائیل کے طیارے اس سیاہ فام حبشی قبیلے کے تمام افراد کو اٹھا کر اپنے ہاں لے گئے۔ اور انہیں خوراک لباس، رہائش علاج اور دوسری سہولتیں مہیا کر کے ہمیشہ کے لئے اپنا مہمان بنا لیا۔

اور ہمارے دوستوں کا کردار۔ اللہ اللہ ع

یہ مسلمان ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

پھر افغانستان کی جنگ پاکستان کی دفاعی جنگ ہے سات سال سے افغان مجاہدین سیسہ پلائی دیوار کی طرح ہماری سرحدوں کی حفاظت کر رہے ہیں تو کیا یہ ہمارا اخلاقی، قومی اور ملی فریضہ نہیں کہ ہم اپنے محافظ سپاہیوں کے معصوم اور یتیم بچوں، ان کی بیواؤں، ضعیف مردوں، بوڑھوں اور عورتوں کو سر چھپانے کی جگہ اور دو وقت کی روٹی مہیا کرنے کا انتظام کردیں۔

عالم اسلام، اہل اسلام کا مشترک وطن ہے ہر مسلمان کو کسی بھی جگہ پر رہنے پناہ لینے اور زندگی گذارنے کا حق حاصل ہے ع

ہر مُلک ملکِ ماست کہ ملکِ خدائے ماست

کل جب ہم انگریزوں کے خلاف برسرپیکار تھے تو افغانستان کی سرزمین نے ہمیں پناہ دی تھی آج افغان روسیوں سے نبرد آزما ہیں تو انہیں بھی پڑوسی ممالک میں پناہ حاصل کرنے کا پورا حق حاصل ہے۔ صرف یہ نہیں بلکہ کل تک افغانستان، پاکستان، بھارت، بنگلہ دیش اور برما ایک ہی ملک اور ایک ہی وطن تھا ہم وطنی کی بنیاد پر سب ایک قوم تھے سرحدیں ہزار بدلیں بڑھیں یا گھٹیں ایمانی رشتے اس سے منقطع نہیں ہوسکتے۔

ڈاکٹر نجیب اللہ کا ۱۵ جنوری سے اعلان جنگ بندی دھوکہ دہی اور پرفریب سیاسی پروپیگنڈہ کے سوا کچھ بھی نہیں اس پیشکش سے روس کے جارحانہ عزائم میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔ اسی طرح مسئلہ افغانستان پر روس اور امریکہ کے مذاکرات اپنی جگہ جتنے بھی خوش آئند ہوں مگر یہ حقیقت ہے کہ وہ اصولوں سے زیادہ اپنے مفادات کی نگہبانی کرتے ہیں۔ روس، افغانستان کے راستے پاکستان، ایران اور مشرق وسطیٰ کی تاک میں ہے وہ افغانستان میں آیا اس لئے ہے کہ وہاں ہمیشہ کے لئے اپنا تسلط قائم کردے وہ اس جنگ میں ۲۵ ہزار سے زائد اپنے فوجی جوان ہلاک کرچکا ہے دائمی تسلط کی مستقل راہ حاصل کئے بغیر بخوشی واپسی جانے پر وہ کبھی بھی رضامند نہیں ہوسکتا۔

اور اب کویت میں منعقد ہونے والی مسلم سربراہ کانفرنس کو مسئلہ افغانستان پر روسی اقتدار کے ماضی کے کردار کا بھی جائزہ لینا ہوگا کہ

روسی قیادت بدلتی رہی مگر اس کے عزائم اور پالیسی ہمیشہ وہی رہی جو اس نے روز اول سے اختیار کرلی۔ افغانستان میں سات سالہ طویل جنگ سے بھی بظاہر یہ عندیہ ملتا ہے کہ وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ وہ افغانستان میں اپنی پوزیشن مضبوط کرنا چاہتا ہے۔ صبر وضبط اور سست روی کی یہ طویل پالیسی، روس کا پرانا وطیرہ ہے۔ جسے وہ اپنی توسیع پسندی کے مذموم منصوبہ کی تکمیل میں اختیار کئے ہوئے ہے۔ افغانستان کو کمیونزم کے سانچہ میں ڈھالنے کے لئے مؤثر طریقہ تعلیم، نظریات کی تبدیلی ریڈیو، ٹی وی، ٹیلیویژن اور اخبارات کے پرزور کمیونسٹ پروپیگنڈہ، ہزاروں

افغان نوجوانوں کی روس میں تربیت اور افغانستان میں نظامِ تعلیم کی کلی طور پر تبدیلی یہ سب اس منصوبہ کے تکمیلی مراحل ہیں ۔ صرف یہ نہیں بلکہ اب تو روس پاکستان کو بھی اپنا قصوروار ٹھہرا رہا ہے ۔ جس نے تیس لاکھ سے زائد مہاجرین بے گھر اور بے خانماں افغان بوڑھوں ، بچوں اور عورتوں کو اپنے ملک میں خدا کی زمین پر رہنے کی اجازت دے دی ہے ۔ یہی وجہ جواز ہے جس کے پیشِ نظر روس مسلسل پاکستان کے سرحدی علاقوں پر بمباری اور گولہ باری کر رہا ہے ۔ کہ وہ بے گناہ افغانیوں کو روسی ٹینکوں ، توپوں ، بندوقوں اور مشین گنوں سے کیوں تحفظ مہیا کر رہا ہے ۔

مگر یاد رہے کہ روس پاکستان پر براہِ راست حملہ آور ہونے کی پوزیشن میں نہیں ۔ وہ ہمارے اندرونی حالات پر نظر رکھے ہوئے ہے ۔ کہ وہ اپنے گماشتوں اور ایجنٹوں کے ذریعہ یہاں دہشت گردی ، بے اعتمادی اور انتشار پھیلا کر ملکی سالمیت اور قومی و ملی وجود کے لئے خطرہ پیدا کر دے ۔ بھارت بھی ہمارے ایسے داخلی انتشار اور اندرونی بگاڑ سے فائدہ اٹھانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دے گا ۔

اس نقطہ کو ذہن میں رکھ کر اب ملکی ، صوبائی ، قومی اور علاقائی سطح پر اپنے حالات کا جائزہ لیں ۔ اور بین الاقوامی سطح پر ابھرنے والے سیاسیات ، سندھ اور کراچی کے بھیانک فسادات اور عصبیت اور قومیت کے نعرہ ہائے جاہلیت کی موثر تباہ کاریاں دیکھیں تو یقین کرنا پڑتا ہے کہ واقعۃً پاکستان آج ان ہی خطرات سے دوچار ہے

خارجی حالات سے صرف نظر بیدار اور زندہ قوموں کا شیوہ نہیں ۔ ماسکو ، دہلی اور کابل پاکستان دشمنی میں ایک مربوط اور مضبوط تکون کی شکل میں فعال اور سرگرم ہیں ۔ اندرونِ ملک سوشلسٹ اور کمیونسٹ لابی داخلی انتشار کے بگوڑے سے پوری طرح فائدہ اٹھا رہی ہے ۔

اربابِ حل و عقد خواہ وہ حکمران ہوں یا سیاستدان ، سب کے لئے کراچی کے فسادات کے پس منظر میں عوامل و محرکات اور داخلی بحران اور کابل دہلی اور ماسکو کے عزائم میں ربط و تعلق تلاش کرنے میں اب کوئی دقت باقی نہیں رہی پاکستان پہلے بھی بیرونی جارحیت کے نتیجے میں دولخت ہو چکا ہے ۔ اب مزید لخت لخت کر دینے کی مضبوط منصوبہ بندی کی جا رہی ہے ۔

ایسے حالات میں خطرات کی سنگینی کے احساس کے ساتھ ساتھ اپنی بقا اور سلامتی کی راہ انابت الی اللہ ، نفاذِ شریعت ، باہمی اعتماد و اتحاد یک رنگی ، جرأت و استقامت اور صحیح موقف میں ہے ۔

اگر ہم نے تنزل سے ترقی اور انتشار سے اتحاد کی طرف لوٹنا ہے ۔ تو اللہ ہی کی رسی کو مضبوطی سے تھام کر شیرازہ بندی کی جا سکتی ہے ۔ پناہ صرف اللہ کے دامن میں مل سکتی ہے ۔ اور اگر خدانخواستہ اب بھی ہم نہ سنبھلے تو بقول " مولانا سمیع الحق مدیر الحق کے " ہمارا رہا سہا شیرازہ بکھر گیا تو پاکستان کی تباہی برصغیر کے مسلمانوں کے لئے تاریخ کی سب سے بڑی تباہی ثابت ہوگی ۔ خلافتِ عباسیہ کے زوال ، مسجدِ اقصیٰ کے سقوط ، سقوطِ ڈھاکہ اور فتنۂ تاتار

دہلا کر سے بڑھ کر المیہ اس لئے کہ بظاہر اس کے بعد برصغیر کے تقریباً بیس کروڑ مسلمانوں کو کہیں بھی پناہ نہ مل سکے گی اور اسلامی دنیا کے نقشہ پر کسی اور سپین اور روسی ترکستان کے دھندلے اور مٹے ہوئے نقوش ابھر آئیں گے۔ بہرحال کوئی دوسرا ملک ہمارے قومی مفادات یا علاقائی تحفظ کی خاطر یہاں آکر جنگ نہیں کرے گا ہمیں اپنی بقا اور سالمیت کے تحفظ کے لئے خود اعتمادی اور اپنے وسائل پر انحصار کرنا ہوگا۔ بہرتقدیر اس وقت مسئلہ جنرل نجیب اللہ کے اعلانِ جنگ بندی پر اعتماد کرنے یا افغانستان کی کٹھ پتلی حکومت کو تسلیم کرنے یا اس سے براہِ راست مذاکرات کرنے کا نہیں بلکہ ملکی بقا و سالمیت، افغانستان میں آزاد افغان حکومت کی بحالی اور ماسکو حکومت کو وہاں سے رخصت کرنا ہے۔ خدا کرے کہ ذمہ دارانِ قوم وملت، رہبرانِ اسلام اور سربراہان ممالک مسئلہ افغانستان میں اپنے ٹھوس مضبوط اور متحدہ موقف کے ساتھ ساتھ ایک منظم اور مؤثر لائحہ عمل کے اختیار کرنے میں بھی کامیاب ہوسکیں۔

وما ذالک علی اللہ العزیز ۔ (ادارہ)

بیاد مجلسِ شیخ الحدیث

افادات شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ

ضبط و ترتیب ــــــ : ـــــ مولانا عبدالقیوم حقانی

صحبتے با اہلِ حق

پیشاب سے عدم احتراز عذابِ قبر کا باعث ہے

درسِ ترمذی کی تدوین اور افادات شیخ الحدیث مدظلہ کی ترتیب کے سلسلہ میں کام بحمداللہ شروع ہے حقائق السنن کے نام سے جلد اول چھپ چکی ہے۔ اسی سلسلہ میں جب ایک روز حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم

استنزهوا من البول فان عامة عذاب القبر منه

خود کو پیشاب کے قطروں سے بچاؤ کہ علی العموم عذابِ قبر اسی سے ہوتا ہے۔

زیر بحث آئی تو ارشاد فرمایا کہ واقعہ تو مشہور ہے نورالانوار وغیرہ میں بھی منقول ہے اور غالباً الکوکب الدری نے بھی اسے نقل کیا ہے۔ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک صحابی کا عذابِ قبر منکشف ہوا تو آپ نے ان کی بیوی سے اس صحابیؓ کے اعمال کی تحقیق فرمائی۔ تو معلوم ہوا کہ صاحب قبر چرواہے کا کام کرتا تھا۔ گائے بکریاں وغیرہ چراتے اور دوہا کرتے تھے مگر ان کے پیشاب سے مکمل اجتناب کا اہتمام کم تھا۔ جس کی وجہ سے اسے عذاب قبر میں مبتلا کر دیا گیا ہے۔ تو ارشاد فرمایا کہ خود کو پیشاب کے قطروں اور تلویث سے بچایا کرو۔ کہ اکثر عذابِ قبر اس وجہ سے ہوتا ہے۔

عذابِ قبر کا فلسفہ و حکمت

حضرت شیخ الحدیث نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ایک مسلمان کو پیشاب سے احتراز اور خود کو بچانے کا اہتمام نہ کرنے کی وجہ سے عذاب قبر کی سزا اور ابتلاء میں ڈال دیا گیا ہے۔ اس کی وجہ اور اس میں حکمت و مصلحت بظاہر یہ معلوم ہوتی ہے کہ شاہی دربار میں حاضری کے وقت ہر شخص اولاً غسل کرتا اور میل کچیل کا ازالہ کرتا ہے۔ کپڑوں کو دھوتا ہے۔ طہارت و نظافت کے لئے ان کو خوب رگڑتا اور مانجھتا ہے۔ ان پر پانی بہاتا ہے پھر گرم آگ کی استری سے اس کے ٹیڑھے پن کو دور کرتا ہے۔ تب کہیں جا کر کپڑا صاف ہوتا اور شاہی دربار میں جانے کے شایانِ شان ہوتا ہے۔ لوہے سے زنگ دور کرنے کے لئے لوہار بھی لوہے کو آگ کی بھٹی میں ڈالتا ہے۔ پھر گرم کر کے اسے خوب کوٹتا ہے۔ تب کہیں جا کر اس کی صفائی ہوتی ہے۔ چونکہ یہاں بھی ایک مسلمان نے رب العالمین کے شاہی دربار میں حاضری دینی ہے اس لئے عذاب قبر کی صورت میں اولاً اس کے روح کے لباس (بدن) سے گناہوں

اور معصیت کی میل کچیل کو دھو کر صاف کر دیا جاتا ہے تاکہ وہ بارگاہِ ربوبیت میں ایسے حال میں حاضر ہو کہ اس کے وجود پر معصیت اور نافرمانی کا کوئی درجہ باقی نہ رہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے روح کے لباس بدن کی صفائی کا کام منکر نکیر کے سوال و جواب سے شروع ہو جاتا ہے۔ پھر قبر میں اس لباس کو خوب پائمال اور نچوڑ نچوڑ کر معصیت اور گناہوں کے زنگ کو دور کر دیا جاتا ہے۔ پھر یوم القیامہ (جو پچاس ہزار سال کے برابر ہے) کے احوال و شدائد سے اس کی مزید صفائی کر دی جائے گی۔ پھر پل صراط پر گذر ہو گا۔

مسلم شریف میں ہے کہ پل صراط پر کنڈیاں (کلالیب) لگی ہوئی ہیں۔ جو گذرنے والے گنہگاروں کو چمٹ جائیں گی اور جسم کا خوب آپریشن ہو گا بعض بدنصیب ایسے بھی ہوں گے کہ پل صراط پر بھی ان کے جسم کے فاسد اور گندے مادوں کا ازالہ قائم نہ ہو سکے گا۔ تو انہیں جہنم کے حمام میں غوطہ دیا جائے گا (العیاذ باللہ) جہاں ان کے بدن کے خراب اجزاء اور فاسد مادے جل جائیں گے۔ اس کے بعد وہ اس قابل ہو جائیں گے کہ انہیں خدا کے حضور حاضری کا موقع دیا جائے تب انہیں جنت میں بھیج دیا جائے گا۔ بعض بدنصیب ایسے بھی ہوں گے جن کا سارا وجود گناہ و نافرمانی اور اختیارِ کفر کی وجہ سے اس لوہے کی طرح فاسد ہو گا جو نام کا تو لوہا ہو مگر اندر اور باہر سے سارا زنگ کھا گیا ہو یعنی اس کے اندرونی اجزاء بھی زنگ آلود ہوں تو ایسے لوہے پر لوہار کبھی بھی محنت نہیں کرتا۔ بلکہ اس کو انگاروں کی بھٹی میں ہمیشہ کے لئے چھوڑ دیا جائے گا جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ جلتے رہیں گے۔

احترام اساتذہ علمی ذوق اور دیانت کے نمونے

مجلس شیخ الحدیث مدظلہ میں طلبہ کے باہمی روابط اور احترام اساتذہ کی بات چھڑی تو حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے ارشاد فرمایا کہ:۔

الحمدللہ! اس دور میں بھی کچھ روایات اسلاف زندہ ہیں آج بھی ہم دیکھتے ہیں کہ بعض حساس طلبہ جب بوجہ کسی عذر کے سبق سے رہ جاتے ہیں تو پھر وہی سبق اپنے ہم جماعت سے دریافت کر لیا کرتے ہیں مگر یہ صفت کم پائی جاتی ہے کہ اپنے ہم جماعت ساتھی کا اسی طرح احترام کریں جس طرح اپنے اساتذہ کا کرتے ہیں۔ مگر اکابر اور اسلاف امت میں تقویٰ، طلب علم اور دیانت کا کچھ ایسا غلبہ تھا کہ وہ اپنے ہم جماعت ساتھی کو جو انہیں تکرار کرتا یا بھولا ہوا سبق یاد دلاتا یا غیر حاضری کی صورت میں پڑھا ہوا سبق بتاتا تو اس کا بھی وہی احترام کیا جاتا جو استاذ کا کیا جاتا تھا۔ مثلاً حضرت مجاہدؒ اور حضرت طاؤسؒ دونوں ہم سبق ساتھی اور حضرت ابن عباسؓ کے شاگرد ہیں۔ ہوتا یوں کہ جب کبھی بوجہ کسی عذر کے حضرت مجاہد اپنے شیخ حضرت ابن عباسؓ کی درسگاہ میں حاضر نہ ہو سکتے تھے تو اس روز کی روایات (اسباق) اپنے ہم جماعت ساتھی حضرت طاؤس سے دریافت کر لیا کرتے تھے۔ اور دیانت کا یہ عالم تھا کہ اپنے رفیق درس ساتھی حضرت طاؤس کو اپنا استاذ یقین کر کے اپنی سماع روایت کی نسبت بھی ان کی طرف کر دیتے اور روایت انہی سے نقل کرتے تھے جیسا کہ جامع ترمذیؒ میں اس کی مثالیں موجود ہیں۔

لہ جامع ترمذی باب التشدید فی البول، عن الاعمش قال سمعت مجاہدا یحدث عن طاؤس

محض امکانات سے نجاست نہیں آتی

مسئلہ زیر بحث یہ تھا کہ وقوع نجاست کے اجمالی یا ظنی علم سے پانی نجس ہوتا ہے یا نہیں۔ حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے ارشاد فرمایا۔

وقوع نجاست کے اجمالی یا ظنی علم سے پانی نجس نہیں ہوتا۔ مثلاً جنگل میں ایک کنواں ہے جس کا منہ کھلا رہتا ہے علم اجمالی یہ ہے کہ اس کنوئیں میں گندگی گری ہوگی۔ مثلاً بارش کے پانی سے نجاست بہہ کر کنوئیں میں گر گئی ہوگی تو کنواں نجاست سے ملوث ہو گیا ہوگا۔ جیسے وہم کے مریض ساتھی جنگل میں جاتے ہیں تو ضرورت وضو کے وقت بھی صحراؤں کے کنوؤں کے پانی کے استعمال سے گریز کرتے ہیں۔ یا ان سے پانی پینے کے لئے ساتھیوں کو روکتے ہیں کہ اس پانی سے وضو نہ کرو۔ اس میں کسی نے نجاست ڈال دی ہوگی مگر جو طلبہ ہوشیار رہتے ہیں وہ کہہ دیتے ہیں کہ جب یہ ممکن ہے کہ کسی نے نجاست ڈال دی ہوگی تو یہ عین ممکن ہے کہ کسی نے نکال بھی دی ہوگی۔

شیخ الہند کے درس میں

ارشاد فرمایا اس پر مجھے حضرت شیخ الہندؒ کے درس کے ایک طالب علم کی بات یاد آگئی۔ حضرت شیخ الہند سبق پڑھا رہے تھے کہ ایک پٹھان طالب علم نے اعتراض کر دیا۔ کہ حضرت یہاں شبہ ہے۔ حضرت شیخ الہند نے دریافت فرمایا کیا شبہ ہے۔ طالب علم نے عرض کیا کہ حضرت! یہاں کوئی شبہ تو ضرور ہوگا تو حضرت شیخ الہندؒ نے فی البدیہہ جواب دیا کہ اس کا کوئی جواب بھی ضرور ہوگا۔ تو مسئلہ کنوئیں وقوع نجاست کے علمی اجمالی و ظنی میں جہاں یہ احتمال ہے کہ اس میں کوئی نہ کوئی چیز گری ضرور ہوگی۔ تو وہاں اس بات کا بھی احتمال ہے کہ گری ہوئی چیز کسی نے نکال بھی دی ہوگی۔ بہر حال یہ علم اجمالی یا ظنی ہے۔ جو ایک گونہ شک کے مترادف ہے والیقین لا یزول بالشک زمانۂ ماضی میں وقوع نجاست کے امکان کے لئے زمانہ ماضی میں اخراج نجاست کا علم اجمالی اور امکان کافی ہے۔ فتلک بتلک۔

غم عالم فراواں است
ومن یک غنچہ دل دارم

اسی مجلس میں حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے ملکی حالات، سیاسی صورت حال متحدہ شریعت محاذ، شریعت بل، دارالعلوم کے مسائل۔ نیز عوارض و امراض کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ ڈر لگتا ہے کہ ذمہ داریاں زیادہ ہیں، کوتاہیاں بھی زیادہ ہیں کہیں اللہ کریم ناراض نہ ہو جائیں

احقر نے عرض کیا، حضرت! ایسے حالات اور ذمہ داریوں کی کثرت اور فکر امت کے تصور سے جب عالمگیر مغلوب ہو جاتے تو یہ شعر گنگنایا کرتے تھے ؎

غم عالم فراواں است ومن غنچہ دل دارم
چساں در شیشۂ ساعت کنم ریگ بیاباں را

ارشاد فرمایا، اللہ اللہ، وہ کتنے بڑے لوگ کتنے وسیع الظرف اور کتنے دیندار لوگ تھے۔ عالمگیرؒ کو قرآن یاد تھا، احادیث کا بہت سا ذخیرہ، سند کے ساتھ ازبر تھا۔ فقہی مسائل سے دلچسپی تھی۔ خدا تعالیٰ نے اس سے دین

کا کام لیا ورنہ اتنی وسیع حکومت اور نظم اور کثیر ذمہ داریوں اور مطلق العنان بادشاہی میں کب خدا یاد رہتا ہے اس کے دسترخوان پر ہر وقت چالیس علماء موجود رہتے تھے پیش آمدہ مسائل اور اہم قانونی اور ملکی مسائل پر باہم مشاورت جاری رہتی تھی۔ فتاویٰ ہندیہ ان کی بڑی تاریخی یادگار ہے۔ جب تک دنیا اس سے فائدہ حاصل کرتی رہے گی عالمگیر برابر اس کے اجر و ثواب میں استحقاق پاتے رہیں گے۔

والدین کی نافرمانی علامات قیامت سے ہے | ۲۵ نومبر۔ حسب معمول بعد العصر حضرت اقدس شیخ الحدیث مدظلہ کی مجلس میں حاضری ہوئی۔ اساتذہ اور طلبہ کے ادب و احترام کے سلسلہ میں بات چل پڑی تو ارشاد فرمایا قیامت کی نشانیوں میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی بتایا ہے کہ ان تلد الامۃ ربتھا۔ کہ عورتیں اپنی آقائیں جنیں گی۔ اب تقریباً وہی صورت حال پیش آرہی ہے ایسے خوش نصیب باپ کم ہیں جن کی اولاد ان کی فرمانبردار ہو۔ اسی طرح تلامذہ اور شاگرد اپنے اساتذہ کے روحانی اولاد ہیں۔ مگر سکول کالج کے علاوہ دینی مدارس میں اساتذہ سے بغاوت و نافرمانی اور بعض اوقات شدید گستاخی کی جو خبریں آرہی ہیں اس سے قلبی صدمہ ہوتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ سب علامات قیامت کے آثار ہیں۔ یہ دعا کرتے رہیے کہ اللہ ناراض نہ ہو اور خاتمہ بالایمان نصیب ہو۔

خدمت دین اور طلب دنیا | اسی مجلس میں یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اگر رزق حلال اور اپنے ہاتھ پاؤں کی کمائی سے مال حاصل کر لیا جائے تو ایسا مال صالحین اور نیکوکاروں کے لئے اچھا اور مفید ہے۔ نعم المال الصالح للعبد الصالح۔ اچھا مال، اللہ کے نیک بندوں کے لئے مفید ہے۔

جو مال نیکی اور خدمت دین کا ذریعہ ہو وہ اچھا مال ہے۔ البتہ مال کی طلب ممنوع ہے۔ صحابہؓ تو مال طلب کرتے تھے آخرت کے لئے، اس کے باوجود انہیں مال کی طلب پر تنبیہ کی گئی۔

غزوہ احد کے موقع پر جو یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

منکم من یرید الدنیا ومنکم من یرید الآخرۃ

اللہ تعالیٰ حضرات صحابہؓ سے یہ گلہ اور شکوہ فرما رہے ہیں کہ تم میں سے بھی بعض ایسے ہیں جو مال طلب کرتے ہیں، حالانکہ طلب مال تو شان صحابہؓ سے گری ہوئی چیز ہے بعض حضرات نے یہاں یہ توجیہہ لکھی ہے اور خوب لکھی ہے۔

کہ حضرات صحابہؓ کا ارادہ دنیا اور مال کا تھا اس میں شک نہیں، مگر طلب دنیا کے لئے نہیں تھی دین کے لئے تھی اور آخرت کے لئے تھی اور تقدیر عبارت یوں ہوگی۔ ومنکم من یرید الدنیا للآخرۃ۔

مگر اس کے باوجود بھی تنبیہ کی کہ حسنات الابرار سیئات المقربین

تعلیم تعلم القرآن کریم | ابھی یہ سلسلۂ گفتگو جاری تھا کہ دار الحفظ والتجوید کے تین اساتذہ حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کی

(باقی ص ۶۴ پر)

خطبہ جمعہ جامع مسجد دارالعلوم حقانیہ
٢ر جنوری ١٩٨٧ء

خطاب :- مولانا سمیع الحق مدیر الحق
ضبط و ترتیب :- مولانا عبدالقیوم حقانی

انسانی مجد و شرف کا حقیقی معیار

اور

اسلام کی حقیقت شناسی

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم ۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم
ان اللہ لا ینظر الی صورکم و اموالکم و لکن ینظر الی قلوبکم و فی روایۃ الی نیاتکم او کما قال علیہ السلام

حدیث شریف کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان کی نجات ظاہری حسن و جمال اور دولت و کمال پہ نہیں بلکہ باطن کی اصلاح اور اخروی اعمال پر موقوف ہے ۔ جن چیزوں کا آخرت سے تعلق ہے ان میں ایک قلب ہے اور قلب کی اصلاح ہے اور اعمال کی اصلاح ہے ۔ آخرت میں نجات کا ذریعہ دل کی کیفیات اور عقائد و نظریات اور اعمال صالحہ ہی ہیں دنیا میں جو چیزیں نجات اور کامیابی کا مدار قرار پاتی ہیں اللہ کے نزدیک آخرت میں کامیابی کا پیمانہ اس سے مختلف ہے ۔

دنیا اور دنیوی اسباب کے ساتھ بظاہر چین ہے آرام ہے راحت ہے شان و شوکت ہے عزت اور جاہ و جلال ہے بنگلے ہیں عیاشی کے سامان ہیں ۔ دولت ہے ۔ مناصب اور وزارتیں ہیں ۔ اگر انسان یہ تصور کرے کہ آخرت میں بھی ایسی عیش کوشی اور غفلت و مستی کی وجہ سے کامیاب ہوں گا تو خدا تعالیٰ نے اس معیار کو غلط قرار دیا اور اس انداز فکر کی تغلیط فرمائی ہے ۔

سعادت و نجات اخروی کے اسباب | ہم دنیا میں بہت سی چیزیں ایسی بھی دیکھتے ہیں جو ایک زمانہ میں تو مفید ہوتی ہیں مگر دوسرے اوقات میں وہی چیزیں نقصان اور ہلاکت کا ذریعہ بن جاتی ہیں کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ جو چیزیں گرمی میں آرام و راحت اور سکون و سرور کا ذریعہ تھیں وہی سردی میں راحت و فرحت کا ذریعہ ہوں گی گرمی میں برف ، ایرکنڈیشنڈ ، پنکھا اور ٹھنڈی چیزیں فرحت و سرور کا ذریعہ بنتی ہیں ۔ آرام و راحت ملتی ہے ۔ مگر یہی چیزیں سردی میں نقصان کا ذریعہ بنتی ہیں ۔ سردی میں کمرہ ہے اس میں برف ہے اور ایرکنڈیشنڈ لگا ہے ململ کا لباس ہے

تو انسان اس سے فائدہ کے بجائے نقصان اٹھاتا ہے۔ بلکہ ہلاکت کا ذریعہ بنتے ہیں۔ اور سردیوں کے موسم میں ان اسباب کو اختیار کرنے والا اہلِ دنیا کی نظر میں احمق تصور ہو گا۔ لوگ اس سے کہیں گے نادان! یہ سرد اشیاء کے استعمال کا زمانہ نہیں۔ اب تو سردی کا ازالہ چاہیئے۔ آگ جلانی چاہیئے، ہیٹر لگانا چاہیئے۔ گرم لباس، گرم کمبل اور ٹھنڈے شربت کی بجائے گرم چائے کا استعمال چاہیئے۔ دنیا میں ایک ہی وقت میں ایسی جگہیں ہیں جہاں سردی بھی ہے اور گرمی بھی۔ مثلاً یورپ میں برف پڑتی ہے گرم لباس، گرم کپڑے، گرم کھانے وہاں کے لوگ استعمال کرتے ہیں۔ ہیٹر استعمال کرتے ہیں۔ مگر یہی لوگ یورپ سے نکل کر گرم علاقوں میں آئیں۔ افریقہ میں آئیں اور وہاں سے گرم لباس، گرم کوٹ، گرم کمبل سمیٹ کر ساتھ لائیں۔ تو شدید گرمی کے موسم میں گرم لباس کے استعمال سے فوراً ہلاک ہو جائیں گے۔ انہیں کہا جائے گا نادان! یہ تو افریقہ ہے۔ یہاں گرمی ہے۔ یہاں موٹا اور گرم لباس، گرم کمبل، گرم ہیٹر اور گرم انگیٹھی کی ضرورت نہیں یہاں نرم کپڑے، ٹھنڈے پانی اور برسخ آور اشیاء کے استعمال کی ضرورت ہے۔ یہاں برف اور پنکھے کی ضرورت ہے

تو دیکھو! جو چیز یورپ میں نجات کا ذریعہ ہے وہ افریقہ میں ہلاکت کا ذریعہ ہے۔ اور جو چیز افریقہ میں نجات کا ذریعہ ہے وہ یورپ میں نجات کا ذریعہ نہیں۔ جو چیز سردی میں ضرورت پڑتی ہے وہ گرمی میں ضرورت نہیں آتی اور جو چیز گرمیوں کی ہے اسے سردیوں میں استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ یہ تو دنیا کا حال ہے جب کہ دنیا و آخرت تو مستقل دو جہان ہیں دو عالم ہیں ایک عالم دنیا ہے اور ایک عالم آخرت ہے۔

دنیا میں کہا جاتا ہے کہ وہی کامیاب ہے جس کے ساتھ فوج ہے لاؤ لشکر ہے۔ تو ہیں ہیں اسلحہ اور وسائل ہیں حکومت اور اقتدار ہے خدم وحشم ہے مگر یاد رہے اگر دنیا کی یہ کرّ و فر وہ اپنے ساتھ عالم آخرت میں لے بھی جائے تو وہاں یہ اس کے کسی کام نہیں آئیں گی۔ وہاں سب بے سود ہیں۔

مستحقینِ آخرت | تلک الدار الاخرۃ نجعلھا للذین لا یریدون علوا فی الارض ولا فسادا ۰ — وہ گھر ہے آخرت کا۔ ہم دیں گے وہ ان کو جو زمین میں تکبر اور فساد نہیں کرنا چاہتے۔

علو اور فساد، سرکشی اور بغاوت اور جبر و ظلم سے دنیا میں اگر کوئی شخص جتنا بھی سرمایہ اکٹھا کر لے تو وہ دنیا میں بظاہر کامیاب ہے مگر سب سے بڑا فسادی اور آج کل سب سے بڑا انسانیت کا دشمن وہ روس ہے پورا عالم اس کے شر و فساد سے معمور ہے۔ انسان کو مغلوب محکوم بنایا، غلام و خادم بنایا۔ لوگ کہتے ہیں بڑی طاقت ہے، سپر پاور ہے۔ شاہ ایران کتنا بڑا بادشاہ خود کو کہلواتا تھا۔ فوجیں اور لشکر سلامیاں دیتے تھے کہتے تھے بڑا آدمی ہے، مگر اب کیا حالت ہے مگر یاد رہے اللہ پاک نے تنبیہ فرما دی۔ کہ آخرت ان لوگوں کے لئے نہیں جو زمین میں تکبر، علو اور فساد کرتے ہیں۔ لوگوں کے امن و امان اور خوشحالی و اطمینان کی زندگی کو تباہ کرتے ہیں۔ بلکہ

دار آخرت کے صحیح وارث وہ لوگ ہیں جو دنیا میں تواضع کرتے، عبدیت کا اظہار کرتے اور خدا کی مخلوق کی آسائش و آرام کا انتظام کرتے ہیں۔

دار آخرت اور احساس جوابدہی | اسلام انسانیت کو سب سے پہلے آخرت کا تصور اور خدا کے سامنے جوابدہی کا احساس پیش کرتا ہے۔

اسلام انسانیت کو عقیدۂ آخرت اور فکرِ آخرت کا نظریہ دیتا ہے۔ اگر یہ عقیدہ راسخ ہے تو قلب ٹھیک کام کرے گا صحیح راستہ پر چلتا رہے گا۔ صراطِ مستقیم پر ہو گا۔

قلب بادشاہ ہے جسم بھی اللہ ہی کا عطیہ ہے جو بے فائدہ اور عبث نہیں پیدا کیا گیا جسم کے تمام اعضاء و جوارح کی اللہ نے اپنی اپنی ڈیوٹی لگا رکھی ہے۔ اور انسان کو اعضاء و جوارح کی شکل میں ایک فوج عطا فرمائی ہے انسان کے اعضاء و جوارح میں مختلف خاصیتیں ودیعت فرمائی ہیں۔ قوتِ شامہ بھی ہے قوتِ سامعہ بھی ہے قوت لامسہ بھی ہے قوتِ ذائقہ بھی ہے۔ دو آنکھیں دی ہیں جو مستقل نعمت ہے۔ دیکھنا ان کی مستقل ڈیوٹی ہے۔ کان دئے ہیں ان کی ڈیوٹی سماعت ہے۔ زبان دی ہے اس کی ڈیوٹی بولنا اور چکھنا ہے۔ ناک دی ہے اس کی ڈیوٹی سونگھنا اور سانس لینا ہے۔ ہاتھ اور پاؤں دئے ہیں کہ ان پر بطش اور مشی کرے گا۔ حفاظت کرے گا سے گا دے گا۔ اب اللہ کریم نے انسان کو یہ ساری امانتیں عطا فرما کر حکم دیا کہ ان کو اپنے اپنے مصرف میں صحیح استعمال کرو۔

شکران نعمت | اب اگر بندہ نے ان جوارح کو اعضاء و اندام کو صحیح استعمال کیا تو گویا ان نعمتوں کا حق ادا کر دیا نعمتوں کا شکر کیا ہے؟

لوگوں نے شکرانِ نعمت کے بہت سے معانی بیان کئے ہیں ان تمام معانی کا خلاصہ یہ ہے کہ صرف زبان سے شکریہ ادا کرنے کا نام حقیقت شکر یہ نہیں بلکہ صحیح شکر یہ ہے کہ جس قدر نعمتیں اللہ پاک نے انسان کو دی ہیں ان کو صحیح مصرف میں استعمال کر لیا جائے تو یہ نعمت کا شکر یہ ہے۔

خسران اور حرمان نعمت | اگر اپنے مصرف میں ان کو صحیح طور پر نہ استعمال کیا گیا تو یہ حرمان ہے اللہ نے انسان کو عقل دی تھی، فکر دی تھی، آنکھیں عطا فرمائی تھیں۔ زبان عطا فرمائی تھی۔ کان دئے تھے مگر آنکھوں سے صحیح دیکھا نہیں، کچھ پڑھا نہیں۔ کانوں سے حق سنا نہیں۔ گانے بجانے سنتے رہے قرآن نہ سنا، تو گویا محروم رہا۔

ایک طالب علم کے پاس سب دماغ ہے دل ہے عقل ہے کان ہیں مگر دارالعلوم میں رہتے ہوئے اور درسگاہ میں آنے جانے کے باوجود، بے توجہ رہتا ہے۔ آنکھیں ہیں مگر مطالعہ نہیں کرتا۔ حافظہ خدا نے دیا ہے مگر محنت کر کے سبق یاد نہیں کرتا۔ تو اس نے گویا عظیم نعمت ضائع کر دی۔ محروم رہا، اس کو حرمان کہتے ہیں۔

بخل ہے مگر استعمال نہیں کرتا۔ کپڑے ہیں مگر پہنتا نہیں۔ بدقسمت ہے محروم ہے اور اگر استعمال کیا جائے مصارف

میں استعمال نہ کیا تو یہ حرمان وخسران ہے ایسا شخص خائب اور خاسر ہے۔

قلب مملکت وجود کا بادشاہ ہے

تو اب وجود کے تمام خدام خواہ سپاہی ہوں یا آفیسرز، اللہ نے سب کا بادشاہ قلب مقرر فرمایا ہے۔ قلب حکمران ہے جس کی ڈیوٹی حکومت ہے کہ وجود کی ساری مملکت کے کارندوں کو صحیح استعمال کیا جائے۔

قلب گویا بادشاہ بھی ہے ٹریفک سپاہی بھی۔ کہ اعضاء و اندام کی تمام گاڑیوں کو، ٹریفک کو صحیح سمت چلانا ہے۔ خطرات کی علامت بتانا ہے۔ مکر و شیطنت اور اثم و گناہ اور بغاوت وعصیان کے حادثات سے بچانا ہے۔

جب دل بن گیا، دل کی اصلاح ہوگئی تو پھر ساری مملکت جسم کی اصلاح ہو جاتی ہے۔ دل سب کو ڈائرکشن اور ہدایات دیتا ہے۔ زبان کو بولنا، ہاتھ کو حرکت دینا، نگاہوں کو دیکھنا اور کانوں کو سننے کی ہدایات دیتا ہے

اگر قلب فاسد ہے، خراب ہے اذا فسدت فسد الجسد کلہ

جب قلب کی اصلاح نہ ہوئی اور وہ خود مادۂ فاسد ہے۔ معمور ہے تو جدھر نگاہیں ہوں گی دل بھی ادھر ہوگا کان جو سنیں گے دل اس پر راضی ہوگا۔ اعضاء و جوارح جس قدر غلط کاموں میں مصروف رہیں گے دل اس پر خوش ہوگا اور آفرین کہے گا

اعضاء و جوارح اور قلب کا محاسبہ

اللہ تعالیٰ ان سب کے بارے میں دریافت فرمائے گا آخرت میں محاسبہ ہوگا۔

ان السمع والبصر والفواد کل اولئک کان عنہ مسئولا۔ بے شک کان اور آنکھ اور دل ان سب کی ان سے پوچھ ہوگی۔

سمع اور بصر جو قلب کے بنیادی وکیل ہیں قلب کا بنیادی کام علم اور تفکر تعقل اور تفقہ ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے :۔

لھم قلوب لا یفقھون بھا ان کے دل ہیں مگر وہ اس سے سمجھتے نہیں۔

ایک جگہ پر لا یعقلون بہا بھی آیا ہے۔

معلوم ہوا کہ قلب کا کام بھاگ دوڑ نہیں، بادشاہی کرنا اور فکر و تدبر اور مملکت وجود کا انتظام و انصرام ہے بادشاہ اپنی جگہ پر بیٹھا ہوتا ہے مگر فوج اور لشکری کام کرتے ہیں۔ آنکھیں کام کرتی ہیں نوکری کرتی ہیں تھکتی ہیں۔ منہ کام کرتا ہے تھکتا ہے۔ ہاتھ پاؤں کا کام سعی و حرکت ہے عمل ہے اور دل کا کام، بادشاہی، علم و تفقہ اور اصلاح ہے تو علم و تفقہ کے دو بڑے ذرائع جسم میں سمع اور بصر ہیں یعنی دیکھنا اور سننا

ولھم اعین لا یبصرون بھا اور ان کی آنکھیں ہیں مگر وہ ان سے دیکھتے

ولھم اذان لا یسمعون بھا — نہیں اور ان کے کان ہیں مگر ان سے سنتے نہیں

انسانی اعضاء و جوارح کی شہادت — خدا تعالیٰ آخرت میں ان کے بارے میں دریافت فرمائے گا کہ سمع و بصر اور قلب کو کس مصرف میں استعمال کیا تھا۔ زبان کو حکم دیا جائے گا کہ تو شہادت دے کہ تجھے کس چیز میں استعمال کیا گیا۔ ہاتھ پاؤں اور چمڑی تک کو گواہی اور گویائی کا حکم دے دیا جائے گا۔ انسان خاموش رہے گا۔ ہاتھ اور پاؤں بولیں گے۔ چمڑی گواہی دے گی۔ کان اور ناک گواہی دیں گے انسان حیران ہوگا اور اپنے اعضاء و جوارح سے کہے گا تم میرے خلاف کیوں گواہی دے رہے ہو۔ دنیا میں تو تم بات بھی نہیں کر سکتے تھے اب کیسے گویا ہوگئے۔

قالوا انطقنا اللہ الذی انطق کل شیءٍ۔ — جس ذات نے ہر چیز کو قوتِ نطق اور قوتِ گویائی بخشی ہے اسی ذات نے ہم کو بھی آج بولنے کی توفیق دے دی ہے۔

خدا نے دنیا میں ہم کو خاموش رکھا اور سب کچھ، اور انسان کا سارا کردار ہمارے اندر ریکارڈ فرمایا ۔۔۔ ہم دیکھتے ہیں کیسٹ ٹائپ ریکارڈ مشین میں رکھ دی جاتی ہے وہ بولتی نہیں بلکہ الفاظ اور آواز کو ریکارڈ کرتی ہے۔ بعد میں جب بٹن دبا دیا جاتا ہے وہی خاموش، جامد اور بے جان کیسٹ ریکارڈ شدہ مواد کما حقہ ظاہر کر دیتی ہے۔

جسم انسان کے اعضاء و جوارح، کان، ناک، ہاتھ پاؤں اور آنکھوں میں سب کچھ اللہ پاک ریکارڈ کر رہے ہیں پھر زبان پر مُہر لگا دی جائے گی اور اعضاء و جوارح ٹائپ ریکارڈر کی طرح سب کچھ بیان کر دیں گے۔

الیوم نختم علی افواھھم و تکلمنا ایدیھم و تشھد ارجلھم بما کانوا یکسبون ٥ — آج ہم مہر لگا دیں گے ان کے منہ پر اور ہم سے ان کے ہاتھ بولیں گے اور ان کے پاؤں گواہی دیں گے جو کچھ وہ کماتے تھے۔

تو قلب کی اصلاح، فکرِ آخرت، تصورِ آخرت اور جواب دہی کے احساس سے ہوتی ہے جتنی آخرت کی طرف توجہ کم ہے فکرِ آخرت نہیں ہے اتنی ہی اعضاء جوارح کے اعمال کمزور ہیں۔ عالمِ آخرت مطمحِ نظر ہونا چاہئے جہاں کے تفصیلات اور حالات واقعات، قرآن و حدیث میں مذکور ہیں۔ اگر ایک شخص آخرت کا منکر ہے کمیونسٹ ہے بعث بعد الموت پر یقین نہیں رکھتا۔ ملحد ہے دہری ہے تو اس کی نظر عالمِ آخرت پر نہیں۔ قیامت پر نہیں محاسبۂ آخرت پر نہیں، مسلمان اور اہلِ ایمان کا ان سے امتیاز یہ ہے کہ مسلمان کو آخرت کے وجود اور وقوع کی قطعیت کا اس طرح یقین ہوتا ہے جیسے اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہو۔ آخرت کے شدائد بھی حد سے بڑھ

کرہیں اور وہاں کے تکالیف بھی بڑھ کر ہیں۔ عذاب بھی سخت ہیں مگر نعمتیں، انعامات، فضل وکرم اور بخشش بھی حد سے بڑھ کر اور بے پناہ ہیں لاتعد و لاتحصیٰ ہیں۔

دنیا میں اللہ تعالیٰ نے آخرت کے دونوں پہلو، ثواب و عذاب، نعمت وغضب، انعام و انتقام کو پوری طرح ظاہر نہیں فرمایا۔

اللہ کی شان جلال وجمال اللہ تعالیٰ کی ایک شان جلال کی ہے اور ایک جمال کی۔

جلال قہر وغضب، رعب، دبدبہ، تاثر سی کو کہتے ہیں۔ ہم دنیا میں کمزور ہیں ناتوان ہیں، ضعیف ہیں۔ اگر اللہ نے دنیا میں اپنے حقیقی جلال کا اظہار فرمایا ہوتا تو کوئی باقی نہ رہتا۔ ساری کائنات نیست ونابود ہو جاتی کس میں طاقت ہے کہ اس کے جلال کی تاب لاسکے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ اللہ نے اپنے جمال کا معمولی سا جلوہ کوہ طور پر ظاہر فرمایا تو پہاڑ برداشت نہ کرسکے۔ جعلہ دکا۔

جمال کی ایک جھلک سے پہاڑ ذرہ ذرہ ہوگیا۔ خود سیدنا حضرت موسیٰؑ بے ہوش ہو گئے۔ جمال یعنی فضل وکرم اور رحمت وعنایت کا اظہار بھی اللہ نے اتنا فرمایا ہے جتنا کہ ہم برداشت کرسکتے ہیں۔ مظہر جلال اور مظہر غضب آخرت میں ہوگا۔ اور مظہر جمال اور مظہر رحمت بھی آخرت میں مکمل صورت میں ظاہر ہوگا۔

جہنم مظہر جلال ہے مظہر جلال جہنم کی شکل میں ہے اور مظہر جمال، جنت کی شکل میں۔ وہاں انسان غیر فانی ہے۔ اس پر موت نہیں۔ وہاں انسان فولاد سے مضبوط ہوگا۔ جمال وجلال کے مظاہر اس میں صلاحیت آجانے کی وجہ سے اسے فنا نہیں کرسکیں گے۔ کہ خدا کی مرضی یہی ہوگی کہ وہ فنا نہ ہو۔ جہنم میں خدا کی رحمت کا کوئی مظاہرہ نہ ہوگا۔ رونا پیٹنا، عذر ومعذرت اور توبہ سب اکارت جائیں گے۔ جہنمی پانی کا سوال کریں گے تو انہیں شدت اصرار پر پانی مہیا کردیا جائے گا مگر وہ اس قدر گرم ہوگا کہ اس کی تپش سے ان کے چہرے جھلس جائیں گے اور ہونٹ کٹ کر پانی کے برتن میں آگریں گے۔

خراب رنگ ہوگا جیسے تیل کی تلچھٹ، جب مجبوری سے پانی کا گھونٹ لیں گے فقطع امعائہم ان کی آنتیں ٹکڑے ہو کر باہر نکل پڑیں گی۔ کھانے کو زقوم ملے گا جو قبیح ترین چیز ہے۔ جس کا کھانا اور نگلنا کسی کے بس کا نہیں۔ سزاؤں اور عذاب و تکالیف سے تنگ آکر جہنمی عرض کریں گے الٰہی! اب ہمیں فنا کردے نیست ونابود کردے۔ رحم کی درخواست کریں گے زندگی کے بجائے موت مانگیں گے۔ وہاں براہ راست اللہ سے کوئی درخواست نہیں پیش کرسکے گا جہنم کے داروغہ اور مالک کے ذریعہ عرضی پیش کریں گے۔

یٰملک لیقض علینا ربک۔ اے مالک! تیرا رب ہم پر موت لے آئے۔ جب وہ درخواست اللہ کی بارگاہ میں پیش ہوگی، تو حدیث میں آتا ہے کہ کئی ہزار سال بعد اس کا جواب آئے گا۔

اخسئوا فیہا ولا تکلمون — پھٹکار ہے اس میں اور مجھ سے نہ بولو

انسئوا عربی کا لفظ ہے معنی یہ ہے کہ کتوں کی طرح دھتکار دئے جائیں گے۔ یہ جہنم کی معمولی سی جھلک ہے جو اس آیت میں کھینچ دی گئی ہے۔ وہاں تو جلال ہی جلال ہے غضب ہی غضب ہے۔

جنت مظہر جمال ہے

دوسری جانب جنت ہے اور مظہر جمال ہے وہاں کے جمال، انعام واکرام، نعمت و احسان کی کوئی حد نہیں کوئی حساب نہیں جس کی تعبیر بھی نہیں کی جا سکتی۔

فلا تعلم نفس ما اخفی لہم من قرۃ اعین۔ — کسی بھی نفس کو معلوم نہیں کہ ان کے واسطے کیا کچھ مخفی رکھا گیا ہے اور جو ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہوگا۔

انسان کو علم نہیں کہ اس کے لئے کیسے کیسے مخفی خزانے نعمت وکرم کے رکھ دیے گئے ہیں۔ اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے لئے جنت کی شکل ہیں۔

ولکم فیہا ما تشتہی انفسکم ولکم فیہا ما تدعون۔ — تم کو وہاں وہی کچھ ملے گا جو تمہارا جی چاہے گا اور جو مانگو گے سو وہی تم کو ملے گا۔

دل میں جو خواہش آئے گی وہی چیز مل جائے گی۔ دل میں خواہش کا آنا ہے کہ چیز کا آناً فاناً موجود ہو جانا ہے کن فیکون کا مظاہرہ ہوگا۔

جنتی جس میوے، جس درخت کے قریب ہوگا چاہے گا کہ پھل کھاؤں شاخیں اس کے منہ کے قریب آجائیں گی بغیر کسی مشقت اور تکلیف پھل اس کے منہ میں پہنچ جائیں گے۔ شربت، شراب طہور غرض جس چیز کو جی چاہے گا تصور سے سب کچھ پیشِ خدمت ہو جائے گا۔ وہاں کے انسان غیر فانی ہیں بقا ہی بقا ہے۔

جنت میں کوئی حسین تصویر پسند آئی۔ یہ خیال اور اس کا تصور آنا ہوگا کہ دیکھنے والا خود اس حسین تصویر کا مرقع بن جائے گا۔ محلات ہیں، مکانات ہیں حسن وجمال کے مظاہر ہیں۔ دربار خداوندی میں دیدار خداوندی اور نعمت و انعام الٰہی سے نوازے جائیں گے۔ جلوۂ الٰہی کے مزے لوٹیں گے۔ اللہ العالمین کی طرف سے انہیں سلام کیا جائے گا۔ سلام قولاً من رب الرحیم

وہاں سلامتی ہی سلامتی ہے جنت کا ہر لمحہ ایک نئی دنیا ایک نیا جہان ہے۔ حوریں غلمان ہیں۔ اگر جنت میں آخری درجہ کا کوئی مسلمان ہے تو اس کی بھی یہ شان ہے کہ اسے کہا جائے گا کہ خواہشات بیان کرو۔

جنت میں پہلا اور سب سے آخر میں داخل ہونے والا مسلمان

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا:- کہ مجھے وہ شخص بھی معلوم ہے جو جنت میں سب سے پہلے داخل کیا جائے گا

اور ایسا شخص بھی معلوم ہے جو سب سے آخر میں جہنم سے نکالا جائے گا۔ اس کی شکل جلے بھُنے اور دھواں آلود انسان کی ہوگی۔ کوئلہ کی طرح ہوگا۔ زبان بھی بے کار ہوگی کہ فریاد تک نہ کر سکے گا۔ پھر اللہ پاک اسے ماء الحیات میں ڈال دیں گے جہاں کے غوطہ سے وہ سرسبز و شاداب اور تر و تازہ اور صحت مند ہو جائے گا۔ جہنم سے نکالے جانے کے وقت اس کی حالت یہ ہوگی کہ اٹھنے کی تاب نہیں ہوگی۔ گھسٹ کر چلے گا۔ حدیث میں حذواً کے الفاظ آئے ہیں۔ جب جنت کے دروازہ کے قریب پہنچے گا تو دیکھے گا کہ جنت میں کہیں جگہ نہیں۔ دروازہ میں پہنچ کر اللہ رؤف الرحیم کی طرف نظر اٹھا اٹھا کر دیکھے گا کہ یا اللہ، جنت میں کہیں جگہ نہیں۔ میں کدھر جاؤں گا، کہاں بیٹھوں گا۔ اللہ تعالیٰ تو علیم بذات الصدور ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے فرمائیں گے۔

اتذکر الدنیا کیا دنیا کی حالت یاد آگئی ہے۔

تو نے دنیا پر جنت کا قیاس کر لیا۔ جہاں جگہ بھر گئی تو وسعت کی گنجائش نہیں۔ جنت دنیا کی طرح نہیں وسیع ہے فراخ اور کشادہ ہے۔

دوسرا معنی اس کا یہ بھی ہے کہ

اتذکر الدنیا تجھے دنیا بھی یاد ہے۔

کہ اللہ تعالیٰ اسے دنیا مستحضر کرا دینا چاہتے ہیں۔ کہ دنیا کس قدر وسیع تھی۔ یورپ، امریکہ، افریقہ، ایشیا چین، بحر و بر سب اس میں تھے سب کو مستحضر کرے پھر جب سب کچھ وہ شخص اپنے تصور میں مستحضر کرلے گا تو ارشاد باری تعالیٰ ہوگا۔

تمنّ مانگو جو کچھ مانگتے ہو جو تمنا رکھتے ہو۔

انسان کی تمنا پر کوئی پابندی نہیں۔ جو کچھ مانگو گے سب کچھ دے دیا جائے گا۔

وعشرۃ اضعاف الدنیا اس دنیا اور دنیا سے دس چند بڑھ کر جنت میں جگہ اور مقام تجھے دے دیا گیا۔

یہ خدا تعالیٰ کی شان جمال ہے جس کا ظہور ہو رہا ہے۔

انسان تو بہرحال انسان اور کمزور و ضعیف ہے حیران ہو جائے گا کہ پہلے آگ میں جلایا گیا اب جنت کے دروازے پر لایا گیا تو ہر جگہ بھری ہے نہیں"تکالیف میں عرض کرے گا الٰہی!

اتسخرنی و انت الملک آپ میرے ساتھ مذاق کرتے ہیں حالاں کہ آپ تو بادشاہ ہیں۔

الٰہی تو تو رب العالمین اور بادشاہ ہے۔ شاہنشاہ اور احکم الحاکمین کی شان کے ساتھ یہ لائق نہیں کہ وہ اپنے غلاموں اور بندوں کے ساتھ تمسخر کرے۔

ایک گنہگار پر عنایت غفار کا عجیب منظر

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ بیان فرمایا تو اس پر خوب قہقہہ سے ہنس دیئے۔

اسی طرح ایک حدیث کا مضمون ہے کہ کوئی ایک گنہ گار انسان جہنم سے نکال دیا جائے گا۔ چھوٹے بڑے جرائم کئے ہوں گے گناہوں کی فائل کھول دی جائے گی۔ جس میں چھوٹے سے چھوٹے گناہوں کا بھی اندراج ہو گا۔

پوچھا جائے گا یہ گناہ کیا ہے؟ یہ کیا ہے؟ خوف سے کانپ رہا ہو گا اور دل میں کہے گا کہ شکر ہے کہ چھوٹے چھوٹے گناہوں کا اندراج ہوا ہے۔ بڑے گناہوں کا ذکر نہیں۔ اقرار کرتا جائے گا سب صغائر ہوں گے۔ خدا کے فیصلہ کا منتظر ہو گا کہ اچانک اللہ تعالیٰ کا فیصلہ صادر ہو جائے گا۔ کہ اس گنہ گار کو ہر گناہ کے بدلے میں نیکیاں دے دو۔ یہ صفت جمال اور صفت رحمت کا مظاہرہ ہو گا۔

وہ گنہ گار انسان خوش ہو گا کہ آج اللہ کریم گناہوں کو نیکیوں میں بدل رہے ہیں۔ عرض کرے گا الٰہی، یہ بڑے بڑے جرائم اور بڑے بڑے گناہوں کا ذکر نہیں کیا گیا۔ نامہ اعمال میں جھانک جھانک کر دیکھے گا۔ پوچھا جائے گا کیوں؟ عرض کرے گا میں نے بڑے بڑے گناہ کئے ہیں ان کا یہاں ذکر نہیں۔

ایک اشکال اور اس کا حل

حضور اقدسؐ اس بات پر بہت مسکرائے۔ حدیث میں آتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا عمومی انداز تبسم کا تھا، چہرۂ انور پر مسکراہٹ تھی، بشاشت تھی۔ مگر اونچی آواز سے قہقہے سے حضورؐ نے منع فرمایا ہے۔

فان کثرۃ الضحک یمیت القلب زیادہ ہنسنے سے قلب مر جاتا ہے ؎

مجھے یہ ڈر ہے دلِ زندہ تو نہ مر جائے

کہ زندگانی عبارت ہے تیرے جینے سے

اب جہاں یہ آیا ہے کہ حضورؐ قہقہے سے ہنسے تو وہ دنیا کی چیز پر نہیں۔ دنیا کے لہو و لعب پر نہیں۔ دنیا کی خوشی پر نہیں۔ بلکہ آخرت کی بات اور خدا کی رحمت کے عظیم مظاہرہ پر بے حد خوش ہوئے۔ خدا کی عظیم رحمت کے ظہور پر بے پناہ خوشی سے قہقہے سے ہنس دیئے۔

ایک موقع پر ایک کافر مفتوح ہوا اور مسلمان فاتح تھا۔ خدا کی رحمت کا مظاہرہ ہوا تو بے اختیار ہنس دیئے۔

کافر محاذ جنگ میں ڈھال لئے بیٹھا ہے اور حضرت سعدؓ تاک میں بیٹھے تھے۔ وہ کافر بڑے شاطر اور عیار تھے ڈھال سے خود کو بچاتے۔ حضرت سعد بے حد تیر انداز تھے۔ کافر بھی بڑا باکمال فن کار تھا کہ حضرت سعد کا نشانہ درست نہیں ہو رہا تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس سارے منظر کو دیکھ رہے تھے کہ حضرت سعد نے بڑی پرکاری اور ہوشیاری سے قدرے گنجائش پر تیر کو ہدف تک پہنچا دیا۔ اور وہ کافر کی پیشانی پر لگا اور کافر دھڑام سے

آگیا ۔اس کامیابی پر آپؐ بے حد خوش ہوئے اور اونچی آواز سے ہنستے رہے تو یہ مجاہد کے غلبہ رحمت و نصرت خداوندی کے ظہور اور آخرت کی بات تھی ۔

بہرحال جنت اور جہنم اللہ کی صفات جلال وجمال کا مظہر اتم ہیں قلب میں دونوں کا تصور لایا جائے ۔ دونوں کی حقیقت جاگزیں کر دی جائے ۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اعمال صالحہ کی تاکید فرمائی ہے ادھر اشارہ ہے کہ جنت اور جہنم اعمال سے بنتے ہیں ۔

بیت المعمور کائنات کا قطب الرحیٰ ہے

جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو شب معراج میں آسمانوں کی سیر کرائی گئی تو آپؐ نے مختلف مناظر دیکھے ۔ ساتویں آسمان پر دیکھا کہ حضرت ابراہیمؑ تشریف فرما ہیں اور بیت المعمور پر تکیہ کئے ہوئے ہیں ۔ ساتوں آسمانوں اور زمین پر بیت المعمور کے محاذ میں قبلے بنا دیئے گئے ہیں ۔
۷۰ ہزار فرشتے روزانہ بیت المعمور کا طواف کرتے ہیں جن کو بعد میں قیامت تک طواف کی باری نہیں ملتی ۔
خانہ کعبہ بھی اسی بیت المعمور اور قبلہ حقیقی کا ایک مظہر ہے ۔
بیت المعمور گویا پوری کائنات کے لئے قطب الرحیٰ ہے ۔
تو اللہ پاک نے حضرت ابراہیمؑ کو جگہ بھی بیت المعمور کے ساتھ عنائت فرمائی ۔ کہ ان کا عمل بھی بیت اللہ کی تعمیر کا تھا ۔ جیسا عمل کرو گے ویسا ہی نتیجہ مرتب ہوگا ۔

امت محمدیہ کے نام حضرت ابراہیم کا پیغام

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھا تو آپ کو بڑی مسرت ہوئی اور امت کے مورث اول ملت ابراہیمی کے اول موسس حضرت ابراہیم سے ملاقات فرمائی ۔

ملۃ ابیکم ابراھیم ھو سمٰکم المسلمین ۔
حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابراہیمؑ سے اپنی امت کے لئے پیغام کی درخواست کی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا ۔"
امت سے میرا سلام کہنا ، یہ کہہ دینا کہ
الجنۃ قیعان

دنیا کے اعمال جنت یا جہنم کی تعمیر ہیں

جنت میدان ہے چٹیل ، محلات ، بنگلوں اور نہروں کے بنانے کا میدان ہے ۔ اس میں کاشت اور تعمیر کی ضرورت ہے ۔ یہاں کا عمل ، وہاں کی کاشت اور وہاں کی تعمیر ہے اگر عمل نہ کیا تو وہاں چٹیل میدان ہے چٹیل ہی رہے گا ۔
جس طرح زمین قدرتی خزانوں سے مالا مال ہے پٹرول ہے تیل ہے معدنیات ہیں ، سونا ہے چاندی ہے مگر اس کے لئے ہے جس نے مشقت کر کے کام کیا ۔

اسی طرح ہمارے لئے بھی جنت میں سب کچھ ہے۔ مگر ملے گا اسے جس نے عمل سے وہاں کے خزانوں میں اپنا استحقاق بنا لیا۔

حدیث میں آتا ہے کہ :۔

راستہ میں ایک جگہ جنت میں فرشتے محل بنا رہے تھے تعمیر جاری تھی کچھ کام کے بعد فرشتوں نے اس محل کو درمیان میں چھوڑ دیا۔ چھت وغیرہ نہ بنائی ۔۔ تو کام کرنے والوں سے دیگر ملائکہ نے پوچھا۔ کام کرتے ہوئے اب اسے کیوں ترک کر دیا۔ تو انہوں نے عرض کیا۔ فلاں صاحب دنیا میں ہمارے لئے میٹریل اور سامان تیار کر کے بھیجتے رہتے اور ہم اسے یہاں لگاتے اور استعمال کرتے۔ اب اس صاحب نے کام چھوڑ دیا سامان نہیں بھیجا یعنی عمل چھوڑ دیا۔ تو اس کی تعمیر کیسے ہوگی۔ اس لئے ہم نے بھی کام چھوڑ دیا۔

خدا تعالیٰ سب کو نیک عمل، فکر آخرت اور اصلاح قلب کی توفیق عطا فرمائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

ضیاءالدین لاہوری

سرسیّد اور تعلیمِ نسواں

کسی قسم کی تنقید کے بغیر تعلیم نسواں کے موضوع پر سرسید کے افکار سے متعلق مضمون جسے ان کے بعض شیدائی صحافیوں نے شائع کرنے سے انکار کر دیا۔ شاید اس لئے کہ اس سے ان کے "محسنِ اعظم" کی شخصیت کا وہ پہلو اجاگر ہوتا ہے جو "روشن خیالی" کے ان دعوے داروں کو ذاتی طور پر پسند نہیں۔ ممکن ہے کہ اس سے ان کے "ترقیانہ" نظریے پر ضرب پڑتی ہو۔ لہٰذا وہ اسے عوام کی نظروں سے اوجھل ہی رکھنا چاہتے ہوں۔ زمانے کی ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ جو لوگ لڑکیوں کے سکول بنانے کی تجویز کے سب سے بڑے مخالف تھے ان کے بعد اُن ہی کے نام پر گرلز کالج تک قائم ہو گئے۔ (ضیاءالدین)

ابوالاثر حفیظ جالندھری نے کتاب "حقوقِ نسواں" کے مؤلف شمس العلما سید ممتاز علی اور سرسید کے مابین علمی روابط کا ذکر کرتے ہوئے اس تصنیف کے بارے میں ایک دلچسپ قصہ بیان کیا ہے۔

"سرسید کی یہ بات مشہور ہے کہ انہوں نے تعلیم نسواں کے لئے کچھ نہیں کیا اور نہ کرنا چاہتے تھے۔ صرف یہی نہیں کہ کرنا نہیں چاہتے تھے بلکہ اگر کوئی کچھ کرنا چاہتا تو مانع ہوتے اس لئے مولوی صاحب کو یہ خوف تھا کہ شاید سید صاحب اس کتاب کو ناپسند کریں گے پھر بھی وہ ان کی خوشی کے بغیر شائع کرنا نہیں چاہتے تھے۔ آخر آپ اس کتاب کو سرسید کی خدمت میں اس غرض سے لے گئے کہ وہ اس پر دیباچہ لکھ دیں۔ مولانا شبلی نے اس کتاب کو پڑھ کر کہا کہ سرسید کے پاس یہ کتاب نہ لے جائیے۔ وہ اسے ناپسند کریں گے۔ مگر سید ممتاز علی نے مولانا ممدوح کے اس مشورے کا کچھ خیال نہ کر کے سرسید کی خدمت میں وہ کتاب پیش کر دی۔ مولوی صاحب نے خود ہم سے بیان کیا کہ "جس وقت میں نے یہ کتاب سرسید کو دکھائی تو ہم دونوں کے سوا کمرے میں کوئی تیسرا نہ تھا۔ اندازاً گیارہ بجے کا وقت تھا۔ سب لوگ اپنے اپنے دفتر کو چلے گئے تھے۔ میں نے قصداً یہ وقت اس لئے پسند کیا تھا کہ اگر سرسید صاحب ممدوح غصے بھی ہوں

تو کسی دوسرے آدمی کی موجودگی میں تو نہ ہوں۔ سرسید نے اس کتاب کو کھول کر کہیں سے پڑھا اور چیں بچیں ہوئے۔ پھر کسی دوسری جگہ سے کھول کر پڑھا تو چہرہ سرخ ہو گیا اور جب آپ نے اس کا کوئی تیسرا مقام پڑھا تو آپ کے ہاتھ کانپنے لگے آخر ضبط نہ کر سکے۔ آپ نے کتاب کو بند کر کے لمبائی میں پھاڑ کر اس کتاب کے دو ٹکڑے کر ڈالے۔ اور پھر ایک ٹکڑے کو دوسرے پر رکھ کر پھر دو ٹکڑے کر ڈالے۔ اور چاروں ٹکڑوں کو ردی کی ٹوکری میں ڈال دیا۔ اور آپ نہایت غضب آلود نگاہیں دیوار پر جمائے ایک آدھ منٹ بالکل خاموش بیٹھے رہے۔ میں بھی بالکل بے حس و حرکت بیٹھا تھا اور ڈر رہا تھا کہ میری کوئی حرکت ان کی توجہ کو ادھر مائل نہ کر دے۔ خدا کا شکر ہے کہ خانساماں آ گیا اور اطلاع دی کہ میز پر کھانا حاضر ہے۔ سرسید تو اٹھ کر غسل خانے کی طرف چلے گئے اور میں ردّی کی ٹوکری میں سے "حقوق نسواں" کے پھٹے ہوئے پرزے اٹھا کر اپنے کمرے میں چلا آیا اور بوجہ رنج کھانے میں بھی شریک نہ ہوا"[1]

سید ممتاز علی نے اس کتاب کو سرسید کی ناراضگی کے خوف سے ان کی وفات کے بعد شائع کیا لیکن اس سے پہلے جب انہوں نے ہندوستان کا سب سے پہلا زنانہ ہفتہ وار اخبار جاری کرنے کا ارادہ کیا تو ان کی اہلیہ نے انہیں اس بارے میں سرسید سے مشورہ لینے کو کہا۔ سید ممتاز علی بیان کرتے ہیں۔

مجھے ان کی یہ رائے پسند نہ آئی۔ مجھے یقین تھا کہ اگر میں ایسا کروں گا تو سرسید مجھے اخبار جاری کرنے نہ دیں گے۔ اور پھر اس حالت میں ان کی بزرگانہ نصیحت کے خلاف کام کرنا سخت گستاخی اور بے ادبی کی بات ہوگی پس اخبار کے جاری کرنے کا تو امر مسلّمہ ٹھہرا کہ سرسید سے صرف نام تجویز کرا لینا مناسب جانا ـــ چنانچہ میں نے ان کی خدمت میں خط لکھا اور جو چند نام تجویز کئے تھے وہ سب لکھ بھیجے۔ اور پوچھا کہ آپ کو ان سب میں سے کونسا پسند ہے؟" سید صاحب مرحوم نے اس کے جواب میں میرے نام جو خط لکھا، افسوس وہ خط اب میرے پاس نہیں رہا مگر مضمون اس کا یہ تھا:-

مشفقی و محبی مولوی سید ممتاز علی۔ تسلیم۔ عنایت نامہ ملا۔ اگرچہ آپ نے اس باب میں مجھ سے مشورہ نہیں لیا کہ آیا اخبار جاری کرنا مناسب ہے یا نہیں بلکہ صرف اس کے نام کی

---

[1] ہفت روزہ تہذیب نسواں لاہور ۶ جولائی ۱۹۳۵ء ص ۶۱۵

بابت دریافت کیا ہے لیکن چاہیے آپ میرا مشورہ پسند نہ کریں مگر میں یہی کہوں گا کہ آپ عورتوں کے لئے اخبار جاری نہ کریں۔ آپ یقین کریں کہ آپ اسے جاری کرکے پچھتائیں گے اور تکلیف نقصان اور سخت بدنامی کے بعد بند کرنا پڑے گا۔ لیکن اگر آپ ان سب باتوں کے سمجھ لینے کے بعد جاری کریں تو جو نام آپ نے لکھ کر مجھے بھیجے ہیں ان میں سے کوئی بھی مجھے پسند نہیں آیا۔ میری رائے میں اگر کوئی اخبار مستورات کے لئے جاری ہی کیا جائے تو اس کا نام "تہذیب نسواں ہونا چاہیئے"۔[۱]

سید ممتاز علی نے سرسید کا اخبار جاری نہ کرنے کا مشورہ تو قبول نہ کیا البتہ اس کا نام سرسید کی تجویز کے مطابق "تہذیب نسواں" رکھا۔ یہ اخبار اس قدر مقبول ہوا کہ سید ممتاز علی کی وفات کے بعد بھی ایک طویل مدت تک کامیابی کے ساتھ شائع ہوتا رہا۔

مسلم گرلز کالج علی گڑھ کے بانی خان بہادر ڈاکٹر شیخ عبداللہ اس موضوع پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"۱۸۹۶ء میں ایجوکیشنل کانفرنس کے جلسے میں جو علی گڑھ میں منعقد ہوا تھا مولوی جسٹس کرامت حسین مرحوم اور نواب محسن الملک مرحوم کی تجویز اور کوشش سے ایک شعبہ تعلیم نسواں قائم ہوا تھا۔ مولوی ممتاز علی صاحب مرحوم سب سے اول اس شعبے کے آنریری سکرٹری مقرر ہوئے تھے۔ تعلیم نسواں کے سلسلے میں سرسید کی رائے ہمیشہ مولوی ممتاز علی صاحب کی رائے کے مخالف رہی۔ شعبہ تعلیم نسواں بھی سرسید کی رائے کے خلاف قائم ہوا تھا۔ سرسید عورتوں کی تعلیم کے معاملے میں بہت ہی پرانے خیال کے بزرگ تھے"۔[۲]

اس بارے میں خود سرسید کے اپنے خیالات ملاحظہ فرمایئے جو انہوں نے ایک موقع پر تقریر کرتے ہوئے بیان کئے۔

"باوجودیکہ بہت سی باتوں میں میری طرف نئے خیالات منسوب ہوتے ہیں۔ لیکن عورات کی تعلیم کی نسبت میرے وہی خیالات ہیں جو ہمارے قدیم بزرگوں کے تھے"۔[۳]

ایک مرتبہ خواتین پنجاب کے نام خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا تھا۔

"میں اپنی قوم کی خاتونوں کی تعلیم سے بے پرواہ نہیں ہوں۔ میں دل سے ان کی ترقی تعلیم کا خواہاں ہوں۔ مجھ کو جہاں تک مخالفت ہے اس طریقہ تعلیم سے ہے جس کے اختیار کرنے پر

---

[۱] ہفت روزہ تہذیب نسواں لاہور ص ۶۱۹
[۲] ایضاً ص ۶۲۴ [۳] مکمل مجموعہ لیکچرز و اسپیچز سرسید مطبوعہ مصطفائی پریس لاہور ۱۹۰۰ء ص ۳۸۱

اس زمانہ کے کوتاہ اندیش مائل ہیں۔ میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ تم اپنا پرانا طریقہ تعلیم اختیار کرنے پر کوشش کرو۔ وہی طریقہ تمہارے لئے دین و دنیا میں بھلائی کا پھل دے گا اور کانٹوں میں پڑنے سے محفوظ رکھے گا"۔ [1]

...... "سچی تعلیم نہایت عمدگی سے ان کتابوں سے حاصل ہوتی ہے جو تمہاری دادیاں نیاں پڑھتی تھیں جیسی وہ اس زمانہ میں مفید تھیں۔ ویسی ہی اس زمانہ میں بھی مفید ہیں"۔ [2]

"... میری یہ خواہش نہیں ہے کہ تم ان مقدس کتابوں کے بدلے، جو تمہاری دادیاں اور نانیاں پڑھتی آئی ہیں اس زمانہ کی مروّجہ نامبارک کتابوں کا پڑھنا اختیار کرو جو اس زمانہ میں پھیلتی جاتی ہیں"۔ [3]

مسلمان خواتین کی قدیم اور مجوزّہ جدید تعلیم کا موازنہ کرتے ہوئے سرسید ان بزرگ عورتوں کے پرانے طریقے تعلیم کی تفصیلات یوں بیان کرتے ہیں :-

"عورتوں کو جس قسم کے علوم پڑھائے جانے کا خیال پیدا ہوا ہے اُس کو بھی میں پسند نہیں کرتا۔ کیونکہ نہ وہ ہماری حالت کے مناسب ہیں اور نہ سینکڑوں برس تک ہماری عورتوں کو ان کی ضرورت ہے۔ بغیر معنی سمجھائے قرآن مجید پڑھانا جس کو ایک حقارت سے دیکھا جاتا ہے۔ میری دانست میں کوئی ذریعہ اس سے زیادہ روحانی تربیت، روحانی نیکی اور توجہ ذاتِ باری کے لئے نہیں ہو سکتا"۔ [4]

ان کی تعلیم میں وہ علوم داخل نہ تھے جن کو اس زمانہ میں یورپ کی تقلید سے لڑکیوں کی تعلیم میں لوگ داخل کرنا چاہتے ہیں۔ یورپ کی اور امریکہ کی حالت معاشرت کے خیال سے شاید وہ علوم لڑکیوں کو سکھانے ضرور ہوں کیونکہ ممکن ہے کہ وہاں عورتیں پوسٹ ماسٹرز اور ٹیلی گراف ماسٹرز یا پارلیمنٹ کی ممبر ہو سکیں۔ لیکن ہندوستان میں نہ وہ زمانہ ہے نہ سینکڑوں برس بعد بھی آنے والا ہے پس جو علوم کہ اس زمانہ میں عورتوں کے لئے مفید تھے وہی اس زمانہ میں بھی مفید ہیں۔ اور وہ علوم صرف دینیات اور اخلاق کے تھے اس زمانے کی لڑکیاں قرآن شریف پڑھتی تھیں، اس کا ترجمہ پڑھتی تھیں۔ نماز روزہ کے مسائل کی کتابیں پڑھتی تھیں جس نے زیادہ تعلیم میں ترقی کی اور فارسی سیکھ لی۔ اس کو قصص انبیاء اور حکایت اولیا اور اسی قسم کی اخلاق کی کتابیں اور بعض حکایات مثنوی مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کی پڑھائی جاتی تھیں۔ جس زمانہ میں مشکوٰۃ شریف کا ترجمہ اردو میں نہ ہوا تھا اور لڑکیوں نے حدیث پڑھنے کا شوق کیا تھا۔ ان کو شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ محدث دہلوی کا ترجمہ مشکوٰۃ شریف پڑھایا جاتا تھا۔

---

[1] مکمل مجموعہ لیکچرز و اسپیچز سرسید مطبوعہ مصطفائی پریس لاہور ۱۹۰۰ء ص ۲۸۱ [2] ایضاً ص ۲۵ [3] ایضاً ص ۲۵۱ [4] ایضاً ص ۳۰۲

اور اخیر زمانہ میں اردو ترجمہ مشکوٰۃ کا اور اردو ترجمہ حصن حصین کا۔ یعنی ظفر جلیل زیادہ تر درس میں داخل تھا بعض لڑکیوں نے ملفوظات حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ یعنی فوائد الفوائد اپنے شوق سے پڑھے تھے۔ صرف ایک عورت سے میں واقف ہوں جس نے تزک جہانگیری اپنے باپ سے پڑھی تھی۔ مگر اس کی ہمجولیاں اس کو کہتی تھیں کہ بوا، اس سے کیا فائدہ ہے کوئی خدا اور رسولؐ کی کتاب پڑھو۔" یہی عمدہ طریقہ تعلیم کا تھا۔ جس سے لڑکیوں کے دل میں نیکی اور خدا ترسی، رحم اور محبت اور اخلاق پیدا ہوتا تھا۔ اور یہی تعلیم ان کے دین اور دنیا، دونوں کی بھلائی کے لئے کافی تھی اور اب بھی یہی تعلیم کافی ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ عورتوں کو افریقہ اور امریکہ کا جغرافیہ سکھانے اور الجبرا اور ٹرگنا میٹری کے قواعد بتانے اور احمد شاہ اور محمد شاہ، مرہٹوں اور دہلیوں کی لڑائیوں کے قصے پڑھانے سے کیا نتیجہ ہے؟" [۱]

تعلیم نسواں کے مدرسے قائم کرنے کرنے بارے میں اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے سرسید کہتے ہیں۔

" جو جدید انتظام عورتوں کی تعلیم کا اس زمانہ میں کیا جاتا ہے خواہ وہ انتظام گورنمنٹ کا ہو اور خواہ اسی طرز کا انتظام کوئی مسلمان یا کوئی انجمن اسلامی اختیار کرے۔ اس کو میں پسند نہیں کر سکتا۔ عورتوں کی تعلیم کے لئے مدرسوں کا قائم کرنا اور یورپ کے زنانہ مدرسوں کی تقلید کرنا ہندوستان کی موجودہ حالت کے کسی طرح مناسب نہیں ہے اور میں اس کا سخت مخالف ہوں۔" [۲]

اپنی اسی مخالفت کے جواز میں وہ مختلف قوموں اور خاندانوں کی لڑکیوں کی باہم صحبت کے باعث پیدا ہونے والے خدشات کا ذکر کرتے ہیں۔ ان کا بیان ہے:۔

" لڑکیوں کی تعلیم کے لئے تمام سکول کے بنانے کو جہاں کہ عام لڑکیاں بلالحاظ اس کے کہ کس قوم و خاندان کی ہیں۔ چادر یا برقع اوڑھ کر یا ڈولی میں بٹھا کر بھیجی جائیں۔ میں پسند نہیں کرتا۔ معلوم نہیں کہ کیسی عورتوں سے صحبت ہوگی، معلوم نہیں کہ کیسی لڑکیاں جمع ہوں گی۔ معلوم نہیں کہ ان کا طرز کیسا ہے؟ گفتگو کیسی ہے؟ مگر میں نہایت زور سے کہتا ہوں کہ اشراف لوگ جمع ہو کر اپنی لڑکیوں کی تعلیم کا ایسا انتظام کریں جو نظیر ہو۔ پچھلی تعلیم کی جو کسی زمانے میں ہوتی تھی۔ کوئی شریف خاندان کا شخص یہ نہیں خیال کر سکتا کہ وہ اپنی بیٹی کو ایسی تعلیم دے کہ ٹیلی گراف آفس میں سگنلر ہونے کا کام دے یا پوسٹ آفس میں چٹھیوں پر مہر لگایا کرے۔" [۳]

"پچھلی تعلیم کی نظیر میں اس زمانے کے زنانہ مکتبوں کی کیفیت اور اپنے مشاہدات بیان کرتے ہوئے سرسید کہتے ہیں

"........ بہتر ہوگا کہ میں اس طریقہ کو بیان کروں جو خود ہمارے خاندان میں جاری تھا اور جس سے میں بخوبی

---

[۱] مکمل مجموعہ لیکچرز و اسپیچز۔ ص ۳۸۱ [۲] خطبات سرسید جلد دوم مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۷۳ء، ص ۲۷۹

واقف ہوں اور بہت کچھ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ میں نے اپنے خاندان کی تین قسم کی عورتوں کو دیکھا ہے۔ ایک وہ جو کہ ہماری ماں اور خالاؤں کی ساتھی تھیں۔ میں نے ان کو دیکھا کہ وہ سب پڑھنا جانتی تھیں۔ اور چند ان میں ایسی تھی جو فارسی کتابیں بھی پڑھ سکتی تھیں میں نے خود گلستان کے چند سبق اپنی والدہ سے پڑھے ہیں اور اکثر ابتدائی فارسی کی کتابوں کے سبق ان کو سنائے ہیں۔

دوسرا گروہ میری ہم عمر بہنوں کا تھا جو گھروں میں تعلیم پاتی تھیں ان کی تعلیم کا طریقہ میں نے یہ دیکھا کہ رشتہ داران قریب میں سے کوئی معزز اور آسودہ گھر لڑکیوں کی تعلیم کے لئے منتخب کیا جاتا تھا۔ اور خاندان کی لڑکیاں اس گھر میں پڑھنے کے لئے جمع ہوتی تھیں۔ اور اس گھر کی بزرگ عورت جوان لڑکیوں میں سے کسی کی خالہ اور کسی کی نانی اور کسی کی خالہ اور کسی کی ممانی اور کسی کی پھوپھی ہوتی تھیں۔ ان سب لڑکیوں کی نگران ہوتی تھی ان کی تربیت کے لئے متعدد استانیاں نوکر ہوتی تھیں۔ اور خود اس گھر کی مالکہ اور بڑی عمر کی عورتیں جو پڑھی ہوئی ہوتی تھیں، مع ان استانیوں کے ان لڑکیوں کو تعلیم دیتی تھیں۔ اس مکان کا ایک ٹکڑا جو ہمیشہ ضلع کی عمارتوں میں ایک دالان ہوتا تھا۔ بطور مکتب کے تجویز کیا جاتا تھا۔ اس میں تخت بچھے ہوئے ہوتے تھے۔ اور ان پر نہایت صاف فرش ہوتا تھا۔ اور سب لڑکیاں وہاں بیٹھ کر پڑھتی تھیں۔ اور استانی پڑھاتی تھی۔ اس گھر کی بزرگ عورتیں وقتاً فوقتاً اس دالان میں جاکر ان لڑکیوں کی اور ان کے پڑھنے کے حالات کی نگرانی کرتی تھیں۔ کبھی کبھی کوئی رشتہ دار مرد، ان لڑکیوں کا بھائی یا باپ، نانا، خالو، آن کر ان لڑکیوں کا سبق سنتا تھا۔ اور کبھی کسی لڑکی کو خود پڑھاتا تھا اس وقت تک ان عورتوں میں سے ایسی عورتیں بھی زندہ موجود ہیں جو عربی زبان سے بھی کسی قدر واقف ہیں اور مشکوٰۃ شریف اور حصن حصین اور متعدد سہل حدیث کتابوں کو نہایت خوبی سے پڑھا سکتی ہیں۔

تیسری قسم کی وہ لڑکیاں ہیں جو میرے سامنے بچہ تھیں اور اب بڑی ہوگئی ہیں۔ ان کی بھی تربیت اسی طرح پر میری آنکھوں کے سامنے ہوئی ہے۔ میری حقیقی بہن کا گھر اس کام کے لئے خاص کیا گیا تھا۔ اور ایک گروہ رشتہ دار لڑکیوں کا اسی طرح پر ایک دالان میں پڑھا کرتا تھا۔ اور میری بہن کے شوہر جو نہایت بزرگ تھے ان لڑکیوں کی تعلیم میں زیادہ کوشش کرتے تھے۔

پہلے زمانہ میں عورتوں کو لکھنے کا کچھ خیال نہ تھا مگر اس تیسرے گروہ کی لڑکیوں میں سے کسی کسی کو لکھنے کا بھی شوق ہوا۔ میرے نانا کے حقیقی بھائی ہر روز یا ایک دن بیچ کر کے مکتب میں آتے تھے۔ اور فارسی خط جو لڑکی لکھنا سیکھتی تھی اس کو اصلاح دیتے تھے عربی خط جو لڑکیاں لکھتی تھیں۔ ان کو میرے حقیقی بہنوئی اصلاح دیتے تھے۔ صبح سے کھانے کے وقت تک پڑھنے کا وقت تھا۔ کھانے کے وقت پر سب لڑکیاں اس گھر کی مالکہ کے ساتھ کھانا کھاتی تھیں کھانے کے بعد ظہر کے وقت تک سینے پرونے یا اور کسی قسم کے خانہ داری کے کاموں کے سیکھنے میں گذرتا تھا۔ ظہر کے

وقت سب لڑکیاں نماز پڑھتی تھیں اور عصر کے وقت تک پھر اپنے پڑھنے میں مصروف رہتی تھیں عصر کے بعد ڈولیوں میں سوار ہوئیں اور پھر اپنے اپنے گھر چلی گئیں۔

جمعہ کا دن نہایت دلچسپ ہوتا تھا۔ سب لڑکیاں بدستور صبح سے آتی تھیں اور سب مل کر چھوٹی چھوٹی پتیلیوں میں مختلف قسم کے کھانے پکاتی تھیں جو ہماری طرف کی زبان میں ہنڈ کلیہ کہلاتی ہے۔ ان لڑکیوں میں سے ایک لڑکی میزبان بنتی تھی اور سب لڑکیوں کو انہی کا پکایا ہوا کھانا کھلاتی تھی۔ کبھی کبھی ہم عمر بھائیوں کو بھی وہ لڑکیاں بلاتی تھیں اور کھلاتی تھیں۔ غرض کہ اسی طرح پران کو وہ چیزیں، جو عورتوں کے لئے ضروری ہیں پڑھائی جاتی تھیں اور خاندان کا طریقہ اور سلیقہ سکھایا جاتا تھا۔[۱]

اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ تعلیم نسواں میں سرسید کے خیالات کی بنیاد میں دراصل ان کا پردہ نسواں کے متعلق نظریہ بھی کارفرما ہے۔ وہ تحریر کرتے ہیں:۔

"ہمارے بعض عزیز جن کو ہم ٹھاٹ لمچی کہتے ہیں اور بعض ہمارے مخدوم جن کو ہم فخر قوم کہہ سکتے ہیں، پردہ کے مخالف ہیں، مگر ہم کو گو لوگ نئے فیشن کا سمجھیں مگر ہم تو اسی پرانے دقیانوسی اگر فیشن کے نہیں ہیں تو دقیانوسی مزاج کے تو ضرور ہیں۔ اور اس لئے ہم اپنے مخدوموں کی رائے کے مخالف ہیں اور عورتوں کا پردہ جو مسلمانوں میں رائج ہے اس کو نہایت عمدہ سمجھتے ہیں۔"[۲]

ایک اور موقع پر آپ اپنے ایک خط میں تحریر کرتے ہیں:۔

"میں پردے کی رسم کا متعدد وجوہ سے نہایت طرفدار ہوں اور بالتخصیص ہندوستان میں۔"[۳]

آپ اس اصول پر وہ سختی سے کاربند تھے ان کے دست راست نواب محسن الملک بیان کرتے ہیں:

"سرسید احمد خان تو جاہل سے جاہل اور کٹر سے کٹر مسلمان سے بھی اس معاملہ میں بڑھ کر تھے۔ ججوں، کلکٹروں کی بیویوں نے ان کی بہو یعنی محمود بیگم سے ملنا چاہا لیکن انہوں نے اس کو بھی جائز نہ رکھا۔"[۴]

نواب محسن الملک نے اس بات کو ایک اور موقع پر یوں بیان کیا:

"میں نے تو ان کا یہ حال دیکھا کہ مدت العمر کبھی وہ اس بات کے بھی روادار نہ ہوئے کہ ان کی بہو محمود بیگم کسی بڑے سے بڑے جلیل القدر انگریز کی میم صاحبہ سے بھی مل سکیں۔ خواہ وہ ان کے دوستوں کی خاتونیں ہوں یا سید محمود کی۔ یہی ایک بات نہیں بلکہ ان کا تعصب تو اس مسئلہ میں یہاں تک بڑھا

---

۱ مکمل مجموعہ لکچرز و اسپیچز سرسید ص ۳۰۲ تا ۳۰۴ ۲ آخری مضامین مطبوعہ رفاہ عام پریس لاہور ۱۸۹۸ء ص ۱ ۳ ماہنامہ مہذب لکھنؤ یکم ستمبر ۱۸۹۰ء ص ۲ ۴ مجموعہ لکچرز و اسپیچز نواب محسن الملک مطبوعہ نولکشور گیس پرنٹنگ ورکس پریس لاہور طبع اول ص ۹۵ م

ہوا تھا کہ وہ تعلیم نسواں بھی اسی دائرہ کے اندر اندر رکھنا چاہتے تھے جیسا کہ اگلے پرانے شرفا کے خاندانوں کا دستور تھا۔ وہ اس جدید طریقے کی تعلیم کو جس کا چرچا ہو رہا ہے قوم کے حق میں نہایت مضر خیال کرتے تھے۔" [1]

سرسید صرف مسلمان عورتوں کی جدید تعلیم کے ہی مخالف نہیں بلکہ وہ ہندوستان کی بعض غیر مسلم عورتوں کے انگریزی بولنے، پڑھنے پر بھی معترض دکھائی دیتے ہیں۔ اپنے سفر لندن کی ابتدا میں جب وہ بمبئی پہنچے اور وہاں کے پارسیوں کی ترقی کا عالم دیکھا تو اپنے تاثرات کو ان الفاظ میں قلم بند کیا :-

"۔۔۔۔ میں نے سنا ہے کہ بعض پارسی اپنی لڑکیوں کو انگریزی بھی پڑھاتے ہیں۔ کوئی اسکول ہے وہاں اٹھارہ اٹھارہ بیس بیس برس کی عمر کی لڑکیاں انگریزی پڑھنے کو جمع ہوتی ہیں۔ اور بخوبی پڑھ گئی ہیں انگریزی بولتی ہیں اور چٹھی لکھتی ہیں۔ مگر میں نہیں سمجھا کہ اپنی زبان چھوڑ کر پارسیوں کو لڑکیوں کے انگریزی پڑھانے کی کیا ضرورت پیش آئی ہے" [2]

سرسید لڑکوں کی تعلیم کو ہی لڑکیوں کی تعلیم کا وسیلہ قرار دیتے ہیں ۱۸۸۲ء میں انہوں نے لیجسلیٹو کونسل کے ممبر کی حیثیت سے ایجوکیشن میں شہادت دی تھی اس سوال کے جواب میں کہ گورنمنٹ مسلمان لڑکیوں کی تعلیم میں کہاں کوشش کر سکتی ہے اور اس میں کامیابی کی کیا توقع ہے، انہوں نے کہا

"۔۔۔۔۔ عورتوں کی تعلیم کا معاملہ اس فلاسفر کے سوال سے نہایت مشابہ ہے جس نے پوچھا تھا کہ پہلے مرغی پیدا ہوئی یا انڈا؟ جن شخصوں کی یہ رائے ہے کہ مردوں کی تعلیم سے پہلے عورتوں کی تعلیم ہونی چاہئے وہ بڑی غلطی پر ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلمان عورتوں کی پوری تعلیم اس وقت تک نہ ہوگی جب تک کہ اس قوم کے اکثر مرد پورے تعلیم یافتہ نہ ہو جائیں گے۔ اگر ہندوستان کے مسلمانوں کی سوشل حالت پر غور کیا جائے۔ تو اس وقت تک جو حالت مسلمان عورتوں کی ہے وہ میری رائے میں خانگی خوشی کے واسطے کافی ہے۔ جو کچھ بالفعل گورنمنٹ کو کرنا ہے وہ یہ ہے کہ مسلمان لڑکوں کی تعلیم و تربیت کے بندوبست کی جانب کافی توجہ کرے۔ جب کہ مسلمانوں کی موجودہ نسل بخوبی تعلیم و تربیت یافتہ ہو جائے گی تو مسلمان عورتوں کی تعلیم پر اس کا ضرور بالضرور ایک زبردست گو خفیہ اثر پہنچے گا۔ تعلیم یافتہ باپ یا بھائی یا شوہر بالطبع اپنی رشتہ مند عورتوں کی تعلیم کے خواہشمند ہوں گے۔ اگر گورنمنٹ

---

[1] مجموعہ لکچرز و اسپیچز۔ نواب محسن الملک مطبوعہ نولکشور گیس پرنٹنگ ورکس پریس لاہور ص ۱۳۵

[2] مسافران لندن، مطبوعہ مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۶۱ء ص ۵۲

مسلمان شریف خاندانوں میں تعلیم نسواں کے جاری کرنے کی کوشش کرے گی تو حالات موجودہ میں محض ناکامی حاصل ہو گی اور میری رائے ناقص میں اس سے مضر نتیجے پیدا ہوں گے اور روپیہ اور محنت ضائع جائیگی"[۱]

انہوں نے اپنی تقریر میں اپنی اس رائے کی حمایت میں یہ جواز پیش کیا۔

"اس وقت ہم تمام یورپ کی اور تعلیم یافتہ ممالک کی ہسٹری دیکھتے ہیں اور پاتے ہیں کہ جب مرد لائق ہو جاتے ہیں۔ عورتیں بھی لائق ہو جاتی ہیں۔ جب تک مرد لائق نہ ہوں عورتیں بھی لائق نہیں ہو سکتیں یہی سبب ہے کہ ہم کچھ عورتوں کی تعلیم کا کچھ خیال نہیں کرتے ہیں۔"[۲]

سید ممتاز علی کے نام ایک خط میں سرسید اسی موضوع پر خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"میری دلی آرزو ہے کہ عورات کو بھی نہایت عمدہ اور اعلیٰ درجہ کی تعلیم دی جائے۔ مگر موجودہ حالت میں کنواری عورتوں کو تعلیم دینا ان پر سخت ظلم کرنا اور ان کی تمام زندگی کو رنج و مصیبت میں مبتلا کر دینا ہے۔"[۳]

"...... عورات کی تعلیم قبل مہذب ہونے مردوں کے نہایت ناموزوں اور عورتوں کے لئے آفت بے درماں ہے۔ یہی باعث ہے کہ میں نے آج تک عورات کی تعلیم میں کچھ نہیں کیا...... پس بالفعل عورتوں کو ایسا رکھنا چاہیئے کہ اگر ان کے شوہر مہذب ہوں تو ان کو مہذب کر سکیں اور اگر نامہذب ہوں تو ان کی بیویاں بھی ویسی ہی ہوں۔"[۴]

غرض کہ تعلیم نسواں کے بارے میں سرسید کے خیالات کا لبِّ لباب ان کے اپنے الفاظ میں یوں بیان کیا جا سکتا ہے:-

"عورتوں کی تعلیم نیک اخلاق، نیک خصلت، خانہ داری کے امور، بزرگوں کا ادب، خاوند کی محبت، بچوں کی پرورش، مذہبی عقائد کا جاننا ہونی چاہیئے۔ اس کا میں حامی ہوں، اس کے سوا اور کسی تعلیم سے بے زار ہوں۔"[۵]

۱۔ حیاتِ جاوید مؤلفہ الطاف حسین حالی مطبوعہ نامی پریس کانپور ۱۹۰۱ء حصہ اول ص ۲۵۲، ۲۵۳

۲۔ مکمل مجموعہ لکچرز و اسپیچز سرسید ص ۴۷۵

۳۔ مکتوبات سرسید مطبوعہ مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۵۹ء ص ۳۸۰

۴۔ ایضاً ص ۳۸۱ (مکتوبات سرسید)

۵۔ خطبات سرسید جلد دوم ص ۲۷۹
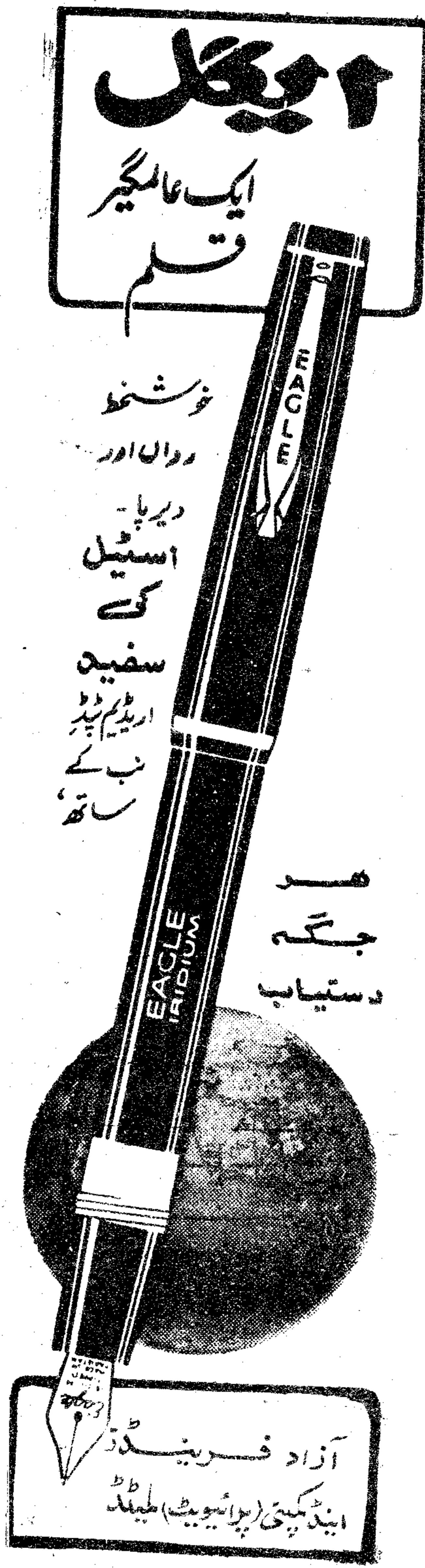
ایگل
ایک عالمگیر
قلم
خوشخط
رواں اور
دیرپا۔
اسٹیل
کے
سفید
اریڈیم ٹپڈ
نب کے
ساتھ
EAGLE
EAGLE
IRIDIUM
ہر
جگہ
دستیاب
آزاد فرینڈز
اینڈ کمپنی (پرائیویٹ) لمیٹڈ

پاکستان کا
نمبر
1
بائیسکل
SOHRAB
سہراب
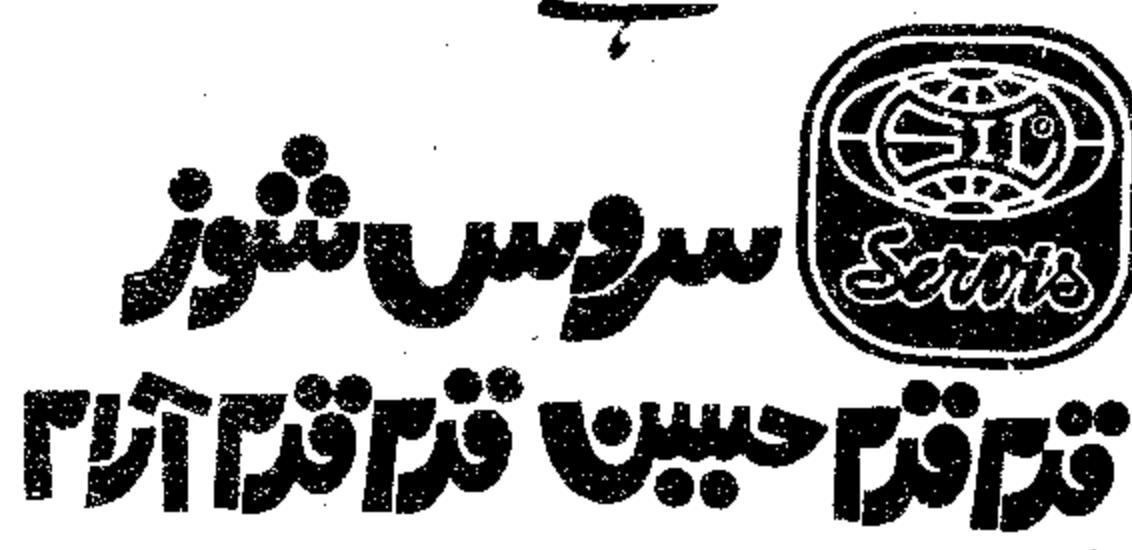
جناب کریم الدین صاحب جدّہ

آخری قسط

قرآنِ حکیم بائبل اور جدید سائنس

۴۲۔ صفحہ ۴۲، ۴۳۔ ڈاکٹر صاحب سورہ علق میں عَلَق کا ترجمہ "چمٹنے والی چیز" کرتے ہیں اور اس پر مُصر ہیں کہ اس لفظ کو اس کے اصل مفہوم کے علاوہ کسی اور انداز میں استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ اس کو "وابستگی" کے مفہوم میں استعمال کرنا (جیسا بلاشے صاحب نے کیا ہے) یا اس کا ترجمہ "لختہ خون" کے طور پر کرنا (جیسا کہ پروفیسر ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے اپنے ترجمہ قرآن کیا ہے) غلط نظر آتا ہے یہ دونوں ہی مشتق معانی ہیں جو موجودہ متن (سورہ علق) میں بے جوڑ دکھائی دیتے ہیں لیکن تعجب ہے کہ اپنے ان اقوال کے باوجود انہوں نے آیت ۱۴ سورہ مومنون کے ترجمہ میں خود بھی عَلَق کا ترجمہ "خون کے لوتھڑے" ہی کیا ہے۔ پھر سورہ علق میں کسی مفسر نے علق کا یہی مفہوم اختیار کیا۔ تو اس کے غلط اور بے جوڑ ہونے کا سوال کیوں پیدا ہوا؟ دراصل "خون بستہ" تو علق کی ماہیت یا حقیقت ہے اور "چمٹنے والی" ہونا اس کی صفت ہے جس کے اعتبار سے اس کے معنی "جونک" بھی ہیں۔ بہر حال یہ متفق علیہ حقیقت ہے کہ استقرار حمل کے بعد علق ہی پہلی شکل ہے جو نطفہ رحم میں اختیار کرتا ہے اور یہیں تو اس کا ترجمہ "خون کے لوتھڑے" یا "خون بستہ" سے کیا جانا ہی بہتر معلوم ہوتا ہے باقی ڈاکٹر صاحب اگر ان تمام معلومات کے باوجود سورہ علق میں اس کا ترجمہ "چمٹنے والی چیز" سے کرنا ہی پسند فرماتے ہیں تو ہمیں ان سے مناقشہ کی ضرورت نہیں۔ لیکن انہیں عام مفسرین کے ترجمہ کو بھی غلط نہ کہنا چاہیئے۔

۴۳۔ صفحہ ۴۴۔ ڈاکٹر صاحب نے سورہ حج کی آیت ۵ میں آئے ہوئے مُخَلَّقَۃٍ وغیر مُخَلَّقَۃٍ "جو تناسب میں ہوتی ہے اور کبھی تناسب سے باہر"، قدرے غلط اور بعید کیا ہے۔ صحیح ترجمہ یہ ہے۔

"کہ (بعض) پوری ہوتی ہے (یعنی اس میں پورے اعضا بن جاتے ہیں) اور (بعض) ادھوری بھی رہ ہوتی ہے کہ بعض اعضا ناقص رہ جاتے ہیں" (بیان القرآن)

۴۴۔ صفحہ ۴۸، ۴۹۔ "بائبل کے برعکس قرآن ایک ایسے سیلاب کا ذکر کرتا ہے جو نوحؑ کی امت تک محدود تھا" ایسا نہیں ہے بلکہ بائبل کی طرح قرآن سے بھی ایسا ہی مترشح ہوتا ہے۔ کہ سیلاب روئے زمین کی پوری انسانی آبادی پر آیا تھا۔ جس کا ایک ثبوت تو یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے ایسی ہی دعا کی تھی۔

وقال نوح رب لا تذر علی الارض من الکفرین دیارا ہ انک ان تذرھم یضلوا عبادک ولا یلدوا الا فاجرا کفارا ہ جو قبول ہوئی ہو گی پوری کی پوری۔ ورنہ اللہ تعالیٰ ساتھ ہی حسب عادت قرآن دعا کے غلط جزو پر تنبیہ فرماتے دوسرا ثبوت یہ ہے کہ دنیا کی ہر مہذب قوم کے قدیم لٹریچر میں اس طوفان کا کسی نہ کسی شکل میں ذکر ملتا ہے۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ اس زمانہ میں انسانی آبادی ہی بحر روم اور بحیرہ قلزم کے آس پاس کے خطوں میں محدود رہی ہو۔ اور بائبل کا یہ بیان صحیح نہ ہو کہ یہ سیلاب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیدائش سے صرف تین سو سال قبل آیا تھا۔ بہرحال طوفان کے عالمگیر ہونے کی حد تک بائبل کا بیان قرآن کے خلاف نہیں۔ اور ڈاکٹر صاحب کا خیال غلط معلوم ہوتا ہے :-

(۳) صفحہ ۱۴۱۔ بائبل کے متن کی حقیقی تالیف و ترتیب میں انسان نے بہت اہم کردار ادا کیا ہے (لیکن) قرآن کی تاریخ بالکل مختلف ہے۔ قرآن وحی کے نزول کے ساتھ لکھا اور زبانی یاد کیا جاتا رہا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے مستند ہونے کے متعلق کوئی گمان نہیں کیا جا سکتا۔ قرآن کا معروضی مطالعہ ثابت کرتا ہے کہ جدید علم سائنس اور قرآنی متن کے درمیان کہیں کوئی اختلاف موجود نہیں۔ چنانچہ یہ حقیقت اس امکان کو ناقابل یقین بنا دیتی ہے کہ آں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں علوم کی جو عام کیفیت تھی، کوئی شخص اس قسم کے قرآنی بیانات کا مصنف بن سکتا۔ یہی وہ حقائق ہیں جو قرآنی وحی کو ایک یکتا مقام عطا کرتے ہیں۔ اور ایک غیر جانب دار سائنسدان کو مجبور کر دیتے ہیں کہ وہ ان قرآنی بیانات کے سلسلہ میں محض مادہ پرستانہ دلائل پر مبنی کسی قسم کی وضاحت پیش نہ کر سکنے کا اعتراف کرے۔ میرے نزدیک یہ حقائق بشری فہم و فراست کے لئے ایک جائز چیلنج ہیں۔

ہمیں انتہائی حیرت ہے کہ ڈاکٹر صاحب قرآن کو غیر تحریف شدہ مسلم الثبوت اور واحد الہامی کتاب مانتے ہوئے اس کے احکام و مطالبات سے اعراض برت رہے ہیں۔ انہیں اولین فرصت میں دل سے کلمہ شہادت پڑھ کر اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیں۔ اگر خدانخواستہ اب تک دولت ایمان سے محروم ہوں۔ دل تو یہی کہتا ہے کہ وہ مسلمان ہیں لیکن کان اس خبر کو سننے کے ابھی منتظر ہیں۔ خدا کرے جلد یہ انتظار ختم ہو جائے۔ آمین (بحمد اللہ اب وہ مسلمان ہیں جیسا کہ مشہور ہے۔)

کتابچہ "قرآن حکیم اور جدید سائنس" پر تبصرہ تو بحمد اللہ ہو گیا۔ اب احقر حسب وعدہ قرآنی آیتوں کی سائنسی تفاسیر کرنے کے خطرناک نتائج پیش کرتا ہے۔ امید ہے کہ قارئین کرام ان پر سنجیدگی سے غور فرمائیں گے۔

آیاتِ قرآنیہ کی تفاسیر کو علوم جدیدہ پر منطبق کرنے کے خطرناک نتائج قرآنی آیتوں کی سائنسی تفسیریں نہ صرف غیر ضروری اور عوام کے لئے ناقابلِ فہم ہونے کی وجہ سے بیکار محض ہیں بلکہ وہ خطرات ذیل کو بھی متضمن ہیں۔

۱۔ تفسیر بالرائے کا لازم آنا قرآن کی جو تفسیر کسی مسلمہ عقیدے کو بدل دے، جو لغت، گرامر اور محاورہ سے

پوری مطابقت نہ رکھے جو قرآن کے مخاطبین اولین یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ نے بھی نہ سمجھی ہو یا جو قرآن کی آیتوں کے خلاف پڑتی ہو۔ تفسیر بالرائے ہے جس کے متعلق احادیث میں وعیدیں آئی ہیں۔ سائنسی تفاسیر میں یہ سب بدعنوانیاں متحمل ہیں۔ اس لئے ایسے مفسرین محل وعید ہوں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس نے میری طرف کوئی غلط منسوب کی اس کو اپنا ٹھکانہ دوزخ میں تلاش کرنا چاہئے۔ پھر غور کرنے کی بات ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف وہ باتیں منسوب کی جائیں جو انہوں نے نہ فرمائی ہوں تو ان پر اس سے بھی زیادہ سزا کیوں نہ لازم آئے گی۔

۲۔ **ضعفِ ایمان کا خطرہ** دو طرح پر، اول تو اس طرح کہ اگر کوئی سائنسی نظریہ مستقبل میں غلط ثابت ہوا جو کوئی غیر معمولی اور عجیب بات نہیں چنانچہ متعدد نظریات غلط ثابت ہو چکے ہیں۔ جن میں سے بعض کا ذکر خود ڈاکٹر بکائی صاحب نے اپنی کتاب میں کیا ہے۔ تو جو تفسیر کسی آیت کی موجودہ نظریہ کے مطابق کی گئی ہے۔ اس میں جدید انکشاف کے مطابق ترمیم کرنی پڑے گی۔ اور عوام کا اعتماد تفاسیر کی صحت سے اٹھ جائے گا۔ بعض یہ بھی خیال کریں گے کہ یہ کیسا اللہ کا کلام تھا جو غلط ثابت ہوا؟ ظاہر ہے کہ دونوں صورتیں تضعیف ایمان کا باعث ہیں۔ دوسری طرح سے ضعف ایمان یوں متحمل ہے کہ جب کوئی شخص یہ سوچے گا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ایسی باتیں فرمائیں جو مخاطبین اولین کے فہم سے بالاتر تھیں جس کی دو وجہیں ہو سکتی ہیں۔ یا تو یہ اللہ تعالیٰ کو معاذ اللہ لوگوں کے معیار فہم کا اندازہ نہ تھا یا پھر قصداً اس چیز کو نظر انداز کر دیا۔ چونکہ دونوں ہی صورتیں اللہ تعالیٰ کے بارہ میں محال ہیں پس لامحالہ اس کو یہی ماننا پڑے گا کہ قرآن الہامی کتاب نہیں۔

۳۔ **اغیار کی طعنہ زنی** اغیار یہ کہنے میں حق بجانب ہوں گے کہ ہمارا احسان مانو کہ ہماری ہی بدولت تم کو بعض قرآنی آیات کا صحیح مطلب معلوم ہوا ورنہ گذشتہ چودہ سو سال تک تم سب جہالت ہی میں مبتلا رہے۔ کیا یہ حق بجانب طعنہ زنی مسلمانوں کے لئے انتہائی شرمناک نہ ہوگی؟ اور کیا اس سے حضورؐ، صحابہ کرامؓ اور جملہ مفسرین کی توہین (بواسطہ تجہیل) لازم نہ آئے گی؟ اس سے بھی ضعفِ ایمان متحمل ہے۔

بعض مسلم سائنسدان اسلام کے نادان دوست ہیں خطراتِ بالا کے پیشِ نظر مسلمانوں کو آیاتِ قرآنی کی سائنسی تفاسیر سے احتراز لازم تھا مگر افسوس ہے کہ ان کے سائنسدانوں میں یہ غلط رجحان پیدا ہو چکا ہے اور ترقی پذیر ہے۔ تفسیری صلاحیت کے فقدان کی وجہ سے یہ حضرات باوجود اپنی نیک نیتی کے قرآن پر ظلم کر کے اسلام اور مسلمانوں کو ایسا ضرر پہنچا رہے ہیں جو مخالفین بھی نہیں پہنچا سکتے۔ بلاشبہ ان کی حالت "دوستی بے خبر چوں دشمنی" کے مصداق ہے۔ چنانچہ رابطہ عالم اسلامی مکہ معظمہ کے انگریزی ماہنامہ بابت دسمبر ۱۹۷۶ء میں اسلامی کائنات کے زیر عنوان ڈاکٹر نظام اجمیر محمد صاحب کا ایک مضمون شائع ہوا تھا جس میں سورج، چاند، ستاروں اور کہکشانوں کے متعلق جدید ترین سائنسی معلومات دے کر یہ نتیجہ نکالا تھا کہ جو انکشافات سائنسدانوں

کو اب ہوئے ہیں، قرآن نے ان کو چودہ سو سال پیشتر بتا دیا تھا۔ اس مضمون میں انہوں نے قرآنی آیات کے مفہوم کو توڑ مروڑ کر سائنسی انکشافات و نظریات کے مطابق بنایا تھا۔ اسی ماہنامہ کے دسمبر ۱۹۷۷ء کے شمارہ میں دو مسلم سائنسدانوں کے مضامین چھپے تھے۔ ایک ڈاکٹر ظہیر الدین صدیقی صاحب کا جس کا عنوان تھا "قرآن کے الہامی کتاب ہونے پر میرا عقیدہ" اور دوسرا جناب علوی الحسین صاحب کا بعنوان "اسلام کا پیغام اور سائنسی شہادت" دونوں میں بحیثیت مجموعی مندرجہ ذیل سائنسی معلومات کا وجود قرآن میں ثابت کیا گیا تھا (یہاں ہم ان پر مختصر تبصرہ بھی دے رہے ہیں کسور کے شمار کنندے سورہ نمبر اور نسب نما آیت نمبر ظاہر کرتے ہیں)

۱۔ "پیڑ پودوں میں جنسیات کا وجود ہے یعنی ان کا تولد و تناسل بھی حیوانات کی طرح تزویج کے ذریعہ ہوتا ہے" (۱۳/۳، ۳۶/۳۶، ۵۱/۴۹) سائنسی نظریہ اپنی جگہ صحیح ہے لیکن قرآن کی ان آیتوں یا کسی بھی آیت سے یہ ثابت نہیں۔ البتہ قرآن اس کی تردید بھی نہیں کرتا۔

۲۔ چاند خود روشن نہیں ہے بلکہ اس کی روشنی سورج سے مستعار ہے (۷۱/۱۶) یہ نظریہ بھی صحیح ہے مگر ان آیتوں سے ہرگز ثابت نہیں۔ لیکن قرآن نے چاند کو نورانی اور سورج کو چراغ کہا ہے۔ اس سے البتہ سائنسی نظریہ کے صحیح ہونے کی طرف اشارہ ملتا ہے۔

۳۔ سیارات کے مداروں کے لئے قرآن نے بڑا مناسب لفظ فلک استعمال کیا ہے۔ کیونکہ جدید سائنسی انکشافات سے بھی ان کا بجائے گول ہونے کے بیضاوی ہونا ثابت ہے۔ (۳۶/۴۰۔ ۲۱/۳۳) قرآن نے سارے ہی اجرام فلکی کے مداروں کو فلک کہا ہے جس کے معنی بیضاوی کسی لغت سے ثابت نہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ یہ گول اور بیضاوی دونوں کے لئے استعمال کر لیا جائے۔ اور جس جرم فلکی کو سائنسی زبان یا اصطلاح میں "سیارہ" کہتے ہیں۔ اس کا تو قرآن میں ذکر ہی نہیں بلکہ قرآن کی زبان میں تو سارے ہی اجرام فلکی سیارے ہیں۔ کیونکہ سب ہی خلا میں گھوم رہے ہیں۔ کُلٌّ فِی فَلَکٍ یَّسْبَحُوْن۔

۴۔ "خلائی سفر ممکن ہے" (۵۵/۳۳) اس کے قرآن کے ثابت نہ ہونے پر گذشتہ صفحات میں کافی بحث آچکی ہے کہ یہ آیت خلائی سفر سے دور کا بھی تعلق نہیں رکھتی۔ تبصرہ کا نمبر ۲۵ ملاحظہ فرمائیے۔

۵۔ ابتدائے آفرینش میں زمین و آسمان آپس میں جڑے ہوئے تھے۔ بعد میں الگ الگ کئے گئے (۲۱/۳۰) آیت کی یہ تفسیر قطعاً غلط ہے۔ جیسا کہ تبصرہ کے نمبر ۱۵ میں بالتفصیل ثابت کیا جا چکا ہے۔ ویسے سائنسی نظریہ اس معنی کا درست ہے۔ کہ ساری کائنات کا مادہ ایک ہی ہے۔

۶۔ "تمام جاندار پانی سے پیدا کئے گئے" (۲۱/۳۰، ۲۴/۴۵) یہ قرآن کا نظریہ ہے جس کا پورا انطباق سائنسی دملتے جلتے) نظریہ پر نہیں ہوتا۔ دیکھئے تبصرہ ۱۰۔

۷۔ "زمین کے علاوہ دوسرے سیاروں پر بھی جانداروں کی موجودگی" (۴۲/۲۹) آیت سے زمین و آسمان میں دو آب

کا پھیلانا ضرور معلوم ہوتا ہے۔ لیکن آسمانوں کے سیارات ہونے یا سمجھے جانے کی کیا دلیل ہے؟ سائنسدانوں کے نزدیک آسمان سے مراد عالم بالا ہے جو ستاروں سیاروں اور کہکشانوں کے علاوہ کوئی چیز نہیں۔ آیت کی تفسیر میں علمار محققین نے لکھا ہے کہ :۔

بَثَّ فِیۡہِمَا مِنۡ کُلِّ دَآبَّۃٍ سے مراد مطلق ذی روح لیا جائے تو کچھ اشکال نہیں کیونکہ آسمانوں میں ملائکہ موجود ہی ہیں۔ اگر جانور مراد لئے جائیں تو ایک توجیہہ تو یہ ہے کہ فِیۡہِمَا کا مطلب فی مجموعہما یعنی "زمین و آسمان کے مجموعہ میں" سمجھا جائے۔ دوسری توجیہہ یہ ہے کہ احادیث میں جنت میں پرندوں اور یاقوتی گھوڑوں کا ہونا ثابت ہے اور جنت فی الحال موجود ہے۔ پس کچھ اشکال نہ رہا۔ ظاہر ہے کہ آیت کی تفسیر سائنسی نظریہ پر (جو محض ظنی ہے) اس وقت تک منطبق نہ ہو گی جب تک سارے اجرام فلکی کا آسمان ہونا ثابت نہ ہو جائے۔ کہ قرآن میں آسمانوں کے لئے سات کا عدد محض جمع یا کثرت ظاہر کرنے کے لئے آیا ہے۔ جو ایک دعویٰ بلا دلیل ہے۔ قرآن کی متعدد آیتوں میں آسمانوں کی جو صفات بیان ہوئی ہیں وہ ہرگز ستاروں سیاروں پر منطبق نہیں ہوتیں۔

۸۔ "تمام اجرام فلکی معہ زمین کے غالباً ہائیڈروجن سے بنے ہیں" (۴۱:۱۱) آیت میں آسمانوں کا، نہ کہ ساری کائنات کا، دھوئیں جیسی چیز سے بنائے جانے کا ذکر ضرور ہے۔ مگر آسمانوں سے مراد زمین کے علاوہ سارے اجرام فلکی (جن کا شمار ممکن نہیں) ہونے اور دھوئیں جیسی چیز کے ہائیڈروجن ہونے کی کوئی دلیل نہیں۔

۹۔ "خلا میں آکسیجن یا ہوا نہیں ہے اس لئے وہاں آدمی کا دم گھٹنے لگتا ہے۔" (۶:۱۲۵) آیت سے محض ایک مضحکہ خیز استنباط۔

۱۰۔ "خلائی سفر میں شہاب کی بارش سے جل جانے کا خطرہ" (۵۵:۳۵) یہ بھی آیت سے ایک مضحکہ خیز استنباط ہے کیونکہ آیت قیامت کے متعلق ہے۔ نہ کہ خلائی سفر کے (جس کا کوئی ذکر قرآن میں نہیں) اور اس سے زیادہ مضحکہ خیز آیت کا ترجمہ ہے جو صاحب مضمون نے کیا ہے یعنی "اے جنو اور انسانو! تم دونوں کے برخلاف آگ کی تپش اور پیتل کی چمک بھیجی جائے گی اور تم بچ کر نہ جا سکو گے" بھلا کچھ ٹھکانہ ہے اس بے ہودگی کا! افسوس ہے کہ یہ حضرات اپنی ہمہ دانی کے زعم میں کسی اچھے عالم یا اچھی تفسیر سے قرآن فہمی کی ضرورت بھی نہیں سمجھتے۔

قارئین کرام ذرا غور فرمائیں کہ اس طرح ان دونوں سائنسدانوں نے مندرجہ بالا دس سائنسی انکشافات کو قرآن پر منطبق کرنے میں محولہ چودہ قرآنی آیتوں کی تفسیر میں تحریف کی ہے۔ اور حق یہ ہے کہ بلا کچھ نہ کچھ تحریف کے یہ کام ہو بھی نہیں سکتا۔ یا تو آیت کی غلط تفسیر کرنی پڑے گی۔ یا صحیح تفسیر کا مفہوم بدلنا ہو گا۔ اول الذکر سائنسدان یعنی ڈاکٹر نظام الدین محمد صاحب نے بھی اپنے مضمون میں مندرجہ بالا سائنسی دعاوی میں سے بعض کا ذکر کرنے کے علاوہ سائنس سے قیامت کا امکان ثابت کرتے ہوئے بزعم خود اسے قرآنی بیان کے مطابق ٹھہرایا ہے، فرماتے ہیں :۔

۱۱۔ " ہماری گرم اور روشن ستاروں والی کائنات ایک سرد، سکڑے ہوئے اور موت کی آغوش میں لیٹے ہوئے ستاروں والی کائنات میں بدل جائے گی۔ ہمارے سورج کا ریڈیائی ایندھن جس کے برابر جلتے رہنے سے وہ گرم رہتا تھا ختم ہو جائے گا اور آخر کار وہ ایک سکڑا ہوا اور انتہائی ثقیل یعنی مردہ ستارہ ہو جائے گا۔ اسی حالت کا بیان قرآن ان الفاظ میں کرتا ہے۔

" اور جب سورج تہہ کر دیا جائے گا اور ستارے خاکی رنگ کے ہو جائیں گے" (سورہ تکویر آیت ۱،۲)

یہاں پر یہ عمل قابلِ غور ہے کہ قرآن نے یہ بیان چودہ سو سال قبل دیا تھا۔ جب کہ سائنس ہمارے نظامِ شمسی کے انجام سے محض ناواقف تھا۔"

آگے فرماتے ہیں۔ "سورج ایک مردہ ستارہ بن جانے پر زمین اس قدر سرد ہو جائے گی کہ اس پر زندگی کا وجود ناممکن ہوگا۔ زمین کا یہ انجام یقینی ہے۔ اگر اس کے قبل ہی، کسی شمسی دھماکے سے برباد نہ ہو چکی ہو جو سورج کی (طبعی) موت سے قبل واقع ہو سکتا ہے۔" ہمیں حیرت ہے کہ ڈاکٹر صاحب ان سائنسی انکشافات کو جو محض ظن و تخمین پر مبنی ہیں۔ قرآن کے بیان کے مطابق بتا رہے ہیں۔ حالاں کہ قرآن کے بیان سے قیامت کے روز بھی زمین کا اسی طرح آباد ہونا ثابت ہے جیسی کہ وہ فی الحال ہے یعنی نہ وہ سرد ہو چکی ہوگی اور نہ کسی شمسی دھماکہ سے برباد و معدوم۔ کم سے کم وہ اتنا تو سوچ لیتے کہ اگر قیامت کا وقوع مذکورہ سائنسی انکشافات کے مطابق ہو تو صورِ اسرافیل کی کیا اہمیت اور حقیقت باقی رہ جائے گی؟ ڈاکٹر صاحب نے ان آیتوں کا ترجمہ بھی صحیح نہیں کیا۔ پہلی آیت کے شروع میں لفظ "اور" زائد ہے۔ نیز انکدرت کا مطلب یہاں "خاکی رنگ کا یا مٹیالا" ہو جانا نہیں۔ مصدر انکدار جب ستاروں کے لئے استعمال ہو تو اس کے معنی بکھر جانا یا جھڑ پڑنا ہوتے ہیں۔ مگر یہ مطلب سائنسی معلومات کے مطابق نہ رہتا۔

ڈاکٹر صاحب نے وقوعِ قیامت کے متعلق دوسری صورتیں بھی سائنسدانوں کے مختلف خیالات کے مطابق بیان فرمائی ہیں۔ اور زبردستی ان کو بعض آیاتِ قرآنیہ کے مطابق بھی بنایا ہے۔ جب کہ کوئی صورت بھی قرآن کے مطابق نہیں۔ اور افسوس ہے کہ مختلف قسم کی ان ظنی اور تخمینی باتوں کو جو مختلف علیہ بھی نہیں ڈاکٹر صاحب نے اسلامی علم کائنات کا عنوان دیا ہے۔

بعض علماء کا ناپسندیدہ رویہ اہلِ علم حضرات کا فرض تھا کہ وہ مسلم سائنسدانوں کے اس غلط رجحان کے خلاف مؤثر انداز میں قلم اٹھاتے۔ جنہیں کہ ان کی سمجھ میں آجاتا کہ سائنسی نظریات و انکشافات کو قرآنی آیات کی تفاسیر پر منطبق کرنا مسلمانوں کے لئے مضر ہے اور یہ کہ بہترین تفسیر کسی آیت کی وہی ہے جو قرآن کے مخاطبین اولین کی سمجھ میں آسکتی ہو کیونکہ یقیناً اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ کے لوگوں کے معیار فہم کی رعایت اپنے کلام میں رکھی ہوگی۔ نیز ایسی ہی تفاسیر ہر زمانہ کے عوام کے لئے (جو ہمیشہ اکثریت میں ہوتے ہیں) بھی قابلِ فہم ہو سکتی ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ بجائے سائنسدانوں کی

اصلاح کے وہ خود (یعنی ان میں کے وہ افراد جو علوم جدیدہ سے کچھ واقفیت رکھتے ہیں) تقریباً اسی قسم کی بیماری میں مبتلا ہو گئے۔ احقر نے ماہنامہ "البلاغ" کراچی کے ۱۹۸۱ء کے شماروں میں مولانا محمد شہاب الدین ندوی ناظم فرقانیہ اکیڈمی بنگلور بھارت کے ایک طویل مضمون "قرآن مجید اور علم حیاتیات" کی صرف چھ قسطیں پڑھی ہیں۔ جو تقریباً چالیس صفحات پر پھیلی ہوئی ہیں اور جن میں موصوف نے سورہ اعلیٰ کی صرف تین ابتدائی آیات یعنی سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى ۝ الَّذِي خَلَقَ فَسَوَّى ۝ وَالَّذِي قَدَّرَ فَهَدَى ۝ کی تفسیر کی ہے خدا جانے وہ ان چھ قسطوں میں بھی پوری ہوئی یا نہیں۔ کیونکہ باقی اقساط احقر کو دیکھنے کو نہیں ملیں۔ ان آیات کا تفسیری ترجمہ بیان القرآن کے مطابق یہ ہے۔

> " اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم آپ (اور جو مومن آپ کے ساتھ ہیں) اپنے پروردگار عالیشان کے نام کی تسبیح (و تقدیس) کیجئے۔ ا جس نے (ہر شے کو) بنایا پھر (اس کو) ٹھیک بنایا (یعنی ہر شے کو مناسب طور پر بنایا)۔ ۲۔ اور جس نے (جانداروں کے لئے ان کے مناسب چیزوں یعنی ان کے رہنے سہنے کا طریقہ، حصول خوراک اور بقائے نسل وغیرہ کو) تجویز کیا۔ پھر (ان جانداروں کو ان چیزوں کی طرف) راہ بتائی (یعنی ان کے طبائع کو ان اشیاء کی طرف راغب کر دیا)

جو عام فہم اور تسلی بخش ہے۔ یعنی اس کو پڑھ کر ان آیات کا مطلب ایسا واضح ہو جاتا ہے کہ کسی قسم کی تشنگی نہ کسی عامی کو باقی رہ سکتی ہے اور نہ کسی بڑے سے بڑے سائنسدان کو۔ لیکن اگر غیر ضروری تفصیلات و تشریحات کو "بہتر تفسیر" کا لقب دے کر (احقر کے نزدیک بات کا بتنگڑ بنا کر) پیش کیا جائے۔ تو واقعی دفتر کے دفتر ناکافی ہوں گے۔ اور اگر حشو و زوائد کو کلام الٰہی کے عجائبات میں شمار کیا جائے تو ایسے عجائبات تو ہر جاہل سے جاہل (بلا تخصیص مومن و کافر) کے کلام میں بھی مل سکتے ہیں۔ مثلاً میں کہوں کہ فلاں نے کھانا کھایا تو کھانے کی تفصیل میں تمام علوم جدیدہ کا ذکر اور ان کے مسائل بیان کئے جا سکتے ہیں۔

فاضل مضمون نگار نے تو آیات مذکورہ کی تشریح میں صرف علم حیاتیات ہی کا ذکر فرمایا ہے۔ لیکن یہ ذکر ایسا ہی ہوگا جیسا کسی کے سوال کرنے پر کسی نے اپنی یہ کیفیت بتائی تھی " ایسے خدا کے بندہ کا بیٹا جس نے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے چھ روز میں پیدا کیا۔ اور مخفکان نے اس کو چھوا تک نہیں۔

میرا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ ضرورت کے مواقع پر بھی تفصیل و تشریح نہ کی جائے، بلکہ ضرور کی جائے۔ لیکن ضرورت کا موقع وہ ہے جہاں لفظی ترجمہ باعث اشکال ہو یا باعث اشکال تو نہ ہو لیکن اس سے شرح صدر نہ ہو یا شرح صدر ہو بھی جائے لیکن شرح علمی اور اعتقادی حد تک۔ جس کو کسی معروف مثال کے ذریعہ حق الیقین میں بدلا جا سکتا ہو۔ پہلے موقع کی مثالیں اس قسم کی آیات ہو سکتی ہیں۔ وَأَن لَّيْسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ (اس سے ایصال ثواب کی نفی ہوتی ہے حالانکہ احادیث سے یہ بات ثابت ہے) أَأَمِنتُم مَّن فِي السَّمَاءِ (سے اللہ تعالیٰ کا آسمان میں ہونا معلوم ہوتا ہے

حالانکہ وہ ہر جگہ موجود ہے۔ وان تعودوا نعد۔ یہ اللہ تعالیٰ نے جنگِ بدر کے بعد کفارِ مکہ سے خطاب کیا ہے کہ اگر تم پھر ایسا ہی کرو گے یعنی مسلمانوں سے قتال تو ہم بھی پھر ایسا ہی کریں گے۔ یعنی تم کو مغلوب اور مسلمانوں کو غالب۔ لیکن اگلے سال جنگِ احد میں اللہ تعالیٰ کے اس قول کے خلاف ہوا۔ یعنی کفار غالب آئے تو کفار کے اعتبار سے تو اللہ تعالیٰ کا وعدہ معاذ اللہ، خلافِ حقیقت ہی رہا۔ وجہ خواہ کچھ بھی ہو۔

ربط آیات بیان کر دینے کے مواقع بھی اسی ذیل میں آتے ہیں۔

مثلاً سورہ ماعون میں آیت فَوَیْلٌ لِّلْمُصَلِّیْنَ الَّذِیْنَ ھُمْ عَنْ صَلَاتِھِمْ سَاھُوْنَ میں کلمہ فا کی مناسب توجیہ ضروری ہے ورنہ اس آیت کا پچھلی آیتوں سے کوئی تعلق نظر نہیں آتا۔ دوسرے موقعہ کی مثالیں اس قسم کی آیتیں ہیں۔ اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا۔ یہاں صَبًّا اور شَقًّا مفعول مطلق اپنے اپنے افعال کے "عجیب طور پر" انجام دئے جانے کو ظاہر کرتے ہیں۔ پس شرح صدر کے لئے "عجیب طور" کی کچھ تشریح کر دینا بہتر ہے۔

تیسرے موقعہ کی مثال میں یہی آیت خَلَقَ فَسَوّٰی پیش کی جا سکتی ہے۔ جس پر لفظ فسوّٰی کا مطلب "مناسب طور سے بنایا" ہے جس کو اعتقاداً سبھی جانتے اور مانتے ہیں۔ لیکن اس حقیقت کو اگر کسی مناسب مثال سے واضح کر دیا جائے مثلاً مخاطب کا ذہن اس کے دانتوں کی طرف منتقل کر کے یہ بتایا جائے کہ یہ تین قسم کے ہیں۔ سامنے کے دانت، کیلے یا کچلیاں اور داڑھیں۔ مضبوطی کی ضرورت کے مطابق ان کی جڑیں بھی ترتیب سے ایک ایک دو دو اور تین تین ہوتی ہیں۔ پھر بھی یہ غور طلب ہے کہ داڑھیں جن سے لقمہ چبایا جاتا ہے برابر منہ میں پوشیدہ ہیں اگر سامنے ہوتیں تو کسی کو کھانا کھاتے ہوئے بڑا گھن آتا۔ سر، داڑھی، مونچھ، بھویں اور جسم کے بال بظاہر یکساں نظر آتے ہیں مگر خاصیت کے اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ مثلاً سب کے بڑھنے کی حد مختلف ہے۔ جسم کا رواں اور بھویں بھی اگر سر یا داڑھی کے بالوں کی طرح بڑھا کرتیں تو ان کو چھوٹا کرنے میں پریشانی ہوتی۔ اس قسم کی لاکھوں مثالوں میں سے ایک دو کا مختصر بیان کر دینا علم الیقین کو ایک دم حق الیقین میں بدل دینے کے لئے کافی ہے بیالوجی کی طویل تفصیلات میں پڑنے مثلاً یہ بتانے کہ کلودین کا تناسب روئی کے ریشہ میں اتنے فیصد جو، سیم، آلو گنے اور برسیم میں اتنے اتنے فیصد ہے بالکل غیر ضروری اور نامناسب ہے۔ جیساکہ فاضل مضمون نگار نے کیا ہے۔

فاضل مضمون نگار صاحب کو یہ بھی سوچنا چاہیئے کہ ایسی تفسیر جس میں تین انتہائی مختصر آیتوں کا بیان زائد از چالیس صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ پڑھنے کے لئے وہی شخص وقت دے سکتا ہے جو کم از کم فکرِ معاش سے فارغ ہو اور سارے ہی

لہ اسی لئے مولانا اکبر شاہ خان صاحب نجیب آبادی نے فرمایا ہے کہ عامۃ المسلمین کے لئے تفسیر وہی بہتر ہے جو مختصر ہو۔ لہذا انہوں نے موضح القرآن کو بہترین تفسیر کہا ہے شاید اس وقت تک بیان القرآن نہ شائع ہوئی ہو جو مختصر ہونے کے ساتھ موضح القرآن پر فوقیت رکھتی ہے

علوم جدیدہ پڑھا ہوا ہو. کیونکہ فاضل مضمون نگار کے خیال سے قرآن حکیم میں مختلف علوم وفنون سے متعلق بے شمار اشارے کنائے موجود ہیں۔ جن کو سمجھنے کے لئے متعلقہ علوم اور ان کی تفصیلات سے بحث کرنا پڑتا ہے نیز ان کے خیال سے "تبیاناً لکل شیئٍ" ، کا مطلب ہر چیز کی خوب وضاحت کرنے والی ہے۔ حالاں کہ علمائے محققین نے "ہر چیز" سے مراد "ہر چیز متعلقہ دین" لی ہے۔ وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ" اس کتاب حکمت میں جس علم وفن کا بھی ماہر گہری اور عمیق نظر ڈالے گا اسی قدر اس کی عظمت وجلال کے نقوش اس پر مرتسم ہو جائیں گے"۔ ہماری موٹی سمجھ میں تو یہ بات آتی نہیں کہ ماہر گھڑی ساز ایک مکینیکل انجنیئر۔ ایک ماہر خیاط۔ ایک پائلٹ (ہوائی جہاز چلانے والا) ایک ماہر ریاضیات وغیرہ اپنے علوم و فنون کے متعلق قرآن میں کیا معلومات پائیں گے جس سے قرآن کی عظمت وجلال کے نقوش ان پر مرتسم ہو جائیں؟ بہر حال اس طویل مضمون میں تفسیر آیات سے متعلق سوائے تسویہ اور نظام حیات کی بعض مثالوں کے کوئی کام کی بات نظر نہ آئی۔ یہ مثالیں بھی بیالوجی کی کتابوں سے ماخوذ نہیں ہیں جس سے اس علم کی غیر متعلقہ معلومات سے اس مضمون کو پھیلانا کسی درجہ میں بھی کار آمد اور حق بجانب سمجھا جاتا۔

فاضل مضمون نگار نے بعض قرآنی آیات کا مفہوم بھی صحیح بیان نہیں فرمایا۔ چنانچہ سورۂ فرقان آیت ۶ میں لفظ سِرًّا . سورہ نمل آیت ۲۵ میں لفظ خَبْءَ اور آیت ۷۵، سورہ نمل میں لفظ غَائِبَةٍ ان کے نزدیک تقریباً ہم معنی ہیں۔ جن کو سائنس کی زبان میں "قوانین فطرت" اور قرآن کی زبان میں "سِرًّا" یعنی راز سربستہ کہا گیا ہے۔ حالاں کہ ان الفاظ کا قانونِ فطرت سے کوئی تعلق نہیں۔ ان آیتوں میں ان الفاظ کا صحیح مفہوم معلوم کرنے کے لئے تفسیر بیان القرآن ملاحظہ فرمائیں۔

سورۂ زمر آیت ۲۷ میں مِنْ کُلِّ مَثَلٍ کا مفہوم "ہر ایک مثال" نہیں ہے بلکہ "ہر قسم کے (ضروری) عمدہ مضامین ہے اور آیت ۲۵ سورہ نمل "اَلَّا یَسْجُدُوْا میں استفہام نہیں ہے۔ بلکہ اَلَّا، اَنْ اور لَا کا مجموعہ ہے جس کا ترجمہ" کہ نہیں" کرنا چاہیے تھا۔

فاضل مضمون نگار نے اس مضمون کی پہلی قسط میں یہ بھی فرمایا ہے کہ

" واضح رہے کہ قرآن حکیم کو سمجھنا بظاہر اگرچہ علوم جدیدہ یا علوم سائنس کے سمجھنے پر موقوف نہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ جب ان علوم میں کمال حاصل کر کے کتاب اللہ پر گہری نظر اس حیثیت سے ڈالی جائے کہ وہ ہر دور کے لئے ہدایت نامہ ہے تو اس کا معجزہ ہونا صاف ظاہر ہو جاتا ہے"۔ اس عبارت میں لفظ "بظاہر" فاضل مضمون نگار کے اس خیال کی غمازی کر رہا ہے۔ کہ درحقیقت قرآن حکیم کو بغیر علوم جدیدہ میں کمال حاصل کئے ہوئے نہیں سمجھا جا سکتا اور اس کا موجودہ دور کے لئے ہدایت نامہ اور معجزہ ہونا بھی ظاہر نہیں ہوتا۔ مضمون نگار کا یہ خیال ڈاکٹر بکائی صاحب کے خیال سے مشابہ ہے صرف فرق اتنا ہے کہ ایک مسلم ہونے کی وجہ سے انہوں نے اسے ذرا دبی زبان میں ظاہر کیا ہے

ورنہ مطلب ان کا بھی یہی ہے کہ اسلاف نے مع حضورؐ، صحابہ کرامؓ اور جملہ ائمہ مفسرین کے علوم جدیدہ سے ناواقفیت کی بنا پر معاذ اللہ قرآن کو کما حقہ نہیں سمجھا۔ چنانچہ "البلاغ" بابت ماہ جون ۱۹۸۱ء صہ ۲۲ پر وہ فرماتے ہیں

"ہمارے ذخیرہ تفاسیر میں بھی اس سلسلہ میں بہت سے حقائق اور اصولی اعتبار سے بہت کارآمد نکات ملتے ہیں جن کو ہم بنیاد بنا کر جدید علوم کی روشنی میں مزید تشریح و تفصیل پیش کر سکتے ہیں۔ اس طرح ہم پر اپنے سلف صالحین سے ہٹنے اور کجروی پیدا کرنے کا الزام بھی عائد نہ ہوگا۔ پچھلے دور میں چونکہ سائنسی علوم کی تحقیق و تدوین اس طرح نہیں ہوسکی تھی جس طرح کہ عصر جدید کا خاصہ ہے اس لئے ہمارے مفسرین نے اس سلسلہ میں تفصیلی بحث نہیں کی۔"[1]

غرض انہوں نے اقوال سلف کی مزید تشریح و تفصیل کی آڑ میں علوم جدیدہ کی روشنی میں تفسیر کرنے کا جواز پیدا کر لیا مگر اس سے علوم جدیدہ سے ناواقف جملہ مفسرین (جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی داخل ہیں) کے متعلق جو خیال بنتا ہے اس پر پردہ نہیں ڈالا جا سکتا۔ ان کا یہ فرمانا بھی صحیح نہیں کہ علوم جدیدہ میں کمال حاصل کر کے کتاب اللہ پر گہری نظر ڈالی جائے تو اس کا معجزہ ہونا صاف ظاہر ہو جاتا ہے۔ علوم جدیدہ میں کمال حاصل کرنے کے لئے بڑی مدت چاہیئے۔ ایسے لوگوں کو باقاعدہ علوم دین پڑھنے کی نوبت ہی نہیں آتی۔ ہم نے تو آج تک کوئی ایسا شخص دیکھا تو کیا سنا بھی نہیں جس نے طبیعات، کیمیا، حیاتیات، فلکیات، موسمیات، علم طبقات الارض وغیرہ درجہ کمال تک پڑھے ہوں۔ اور پھر باقاعدہ علوم دین بھی پڑھے ہوں۔ اور شاذ (ہزاروں میں ایک) کوئی پڑھے بھی تو تو چونکہ اس کا زاویہ نظر بدل جاتا ہے اس لئے وہ قرآن کی آیتوں کو کھینچ تان کر علوم جدیدہ کے مطابق بناتا ہے جیسا کہ ہم نے تین مسلم سائنسدانوں کی تفسیری کوشش کے نمونہ اوپر پیش کئے ہیں اور اگر کسی آیت کے بین طور پر واضح المراد ہونے کے سبب ایسا نہ کر سکے تو بہتر تشریح و تفصیل کی آڑ لے کر بالکل بلا ضرورت تفسیر میں علوم جدیدہ کو ٹھونستا ہے جیسا کہ فاضل مضمون نگار نے کیا ہے۔

حضرت حکیم الامت فرماتے ہیں کہ قرآن (یعنی تفسیر) کو فلسفہ اور منطق پڑھنے سے پہلے پڑھنا چاہیئے۔ جب کہ ذہن اپنی سادہ طبیعی حالت پر ہو۔ ورنہ ان علوم سے ذہنی ساخت بدل جانے پر قرآن کا سمجھنا مشکل ہو جاتا ہے اور بخیال احقر علوم جدیدہ مدت تک پڑھنے کے بعد تو قرآن کو سمجھنا اور بھی مشکل ہے۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ پہلے دینی علوم پڑھے اس کے بعد علوم جدیدہ پڑھے تنقید کے ساتھ مگر ان کو تفسیر میں قطعی داخل نہ کرے۔

غرض قرآنی	قرآن مجید میں سائنسی حقائق کی طرف اشارے اور ان کے متعلق مسلم سائنسدانوں کا صحیح طرز عمل

---

[1] کی تشریح میں فٹ نوٹ میں فرماتے ہیں۔

آیات کی تفسیر میں سائنس کو داخل کرنا تو بوجوہ ناپسندیدہ بلکہ مضر ہے۔ لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ قرآن مجید کی بعض آیتوں سے سائنسی نظریات و تحقیقات کی طرف جلی یا خفی اشارے ضرور ملتے ہیں۔ مثلاً

۱۔ آسمان دھوئیں جیسی چیز سے بنائے گئے ہیں (۴۱/۱۱) سائنس کی تحقیق، جو محض قیاس پر مبنی ہے، بھی یہی ہے کہ نہ صرف آسمان بلکہ ساری ہی کائنات کا مادہ ابتدا میں ایک قسم کی انتہائی گرم گیس کی شکل میں تھا۔ اگرچہ آسمان کی حقیقت دونوں میں ایک نہیں معلوم ہوتی۔ یعنی اہلِ سائنس زمین کے علاوہ جملہ ستاروں، سیاروں اور کہکشانوں وغیرہ کو آسمان مانتے ہیں اور ان کے علاوہ آسمانوں کے اپنے مستقل وجود کے قائل نہیں۔

۲۔ قرآن کی متعدد آیتوں سے کائنات کی تخلیق ثابت ہے (مثلاً ۷/۵۴) اور اگرچہ بعض سائنٹسٹ کائنات کا شروع اور اخیر نہیں مانتے۔ تاہم بعض مثلاً البرٹ آئنسٹین اور جارج گیمو کائنات کے ازلی و ابدی ہونے کے بجائے اس کی تخلیق کے قائل ہیں۔

۳۔ چاند، سورج (اور اسی طرح تمام اجرام فلکی) کے حساب سے اپنے اپنے مدار میں چلتے رہنا (۲۱/۳۳، ۳۶/۴۰) یہ چیز سائنس سے بخوبی ثابت ہے۔

۴۔ سورج کا ایک مستقر ہے جس کی طرف وہ برابر چل رہا ہے (۳۶/۳۸) موجودہ علم فلکیات بھی سورج کا مستقر مانتا ہے۔ بلکہ اپنے خیال سے ماہرین فلکیات نے اس مقام کی نشاندہی بھی کر لی ہے۔ اور اس کا نام "راس شمسی" رکھ دیا ہے گو وہ قرآن کے مطابق نہ ہو۔

۵۔ آیات ۱۶/۱۵، ۲۱/۳۱، اور ۳۱/۱۰ میں تخلیق جبال کی یہ حکمت بیان فرمائی گئی ہے کہ کہیں زمین تم لوگوں کو لے کر ہلنے اور ڈگمگانے نہ لگے۔ اس سے اس کے متحرک ہونے کی طرف اشارہ ملتا ہے۔ احقر کے خیال سے چونکہ سطح زمین کے تین چوتھائی رقبہ میں گہرا سمندر ہے اور پانی اس مادہ سے ہلکا ہے جس سے باقی ایک چوتھائی رقبہ قشر زمین کا اپنی پوری جسامت میں بنا ہے۔ یعنی مٹی وغیرہ کے مقابلے میں، اس لئے اگر بھاری بھاری پہاڑ پہاڑیاں نہ بنائی جائیں تو زمین کا مرکز ثقل کرہ کے اصل مرکز سے ہٹا ہوا ہوتا ہے جس سے حرکت کے وقت توازن باقی نہ رہتا۔ اور اضطراری زلزال یا ڈگمگاہٹ پیدا ہوتی۔ اس سے زمین کے بھی دوسرے اجرام فلکی کی طرح اپنے مدار میں سفر کرتے رہنے کی طرف اشارہ ملتا ہے۔ یوں بھی چونکہ زمین اجرام فلکی کی طرح ایک کرہ ہے اس لئے گھومنے میں ان کے مشابہ ہونے پر عقلی استدلال کیا جا سکتا ہے۔

۶۔ قرآن نے سورج کو سِرَاجٌ وَّہَّاجٌ (بھڑکتا ہوا چراغ) اور چاند کو محض "نورانی" کہا ہے (۱۰/۵، ۲۵/۶۱، ۷۱/۱۶، ۷۸/۱۳) جس سے یہ اشارہ نکل سکتا ہے کہ چاند خود روشن نہیں بلکہ اس کی روشنی سورج سے مستعار ہے۔

۷۔ انسان کی پیدائش اچھلتے ہوئے پانی (مَآءٍ دَافِقٍ) یعنی مادہ منویہ سے ہوتی ہے۔ جو پشت اور سینہ کے درمیان سے

نکلتا ہے۔ یہ بیان جدید طبی تحقیق کے مطابق ہے۔

۸۔ پیدائش انسان کی تفصیل یعنی جنین کا مختلف حالتوں سے گزرنا (۲۳/۱۲ تا ۱۴) اس کی بھی طبی سائنس تصدیق کرتا ہے۔

۹۔ قرآن میں بادلوں کو پُر آب کرنے والی ہواؤں (لواقح) کا ذکر ہے (۱۵/۲۲) جس سے بارش ہونے کے طریقہ پر روشنی پڑتی ہے نیز ۸۰/۲۵ میں صببنا الماء صباً سے پانی کا عجیب طور سے برسنا معلوم ہوتا ہے جس سے بارش کے متعلق پوری سائنسی معلومات کی طرف اشارہ ملتا ہے۔

۱۰۔ قرآن میں رات و دن کے تواتر اور ان کے گھٹنے بڑھنے کا بیان ایسے الفاظ میں ہوا ہے جن سے زمین کی محوری گردش کی طرف کھلا اور اس کے محور کے جھکاؤ کی طرف خفی اشارہ ملتا ہے جیسا کہ نمبر ۳ میں بالتفصیل بیان ہوا۔

۱۱۔ قرآن کی بہت سی آیتوں میں قیامت کے حالات بیان ہوئے ہیں خصوصاً سورۂ تکویر اور سورۂ انفطار کی شروع کی آیتوں میں سائنسدان بھی قیامت کا امکان تسلیم کرتے ہیں مگر اس کے وقوع کی کوئی خاص صورت متعین نہیں کر سکے۔ جو حالات ان دونوں سورتوں میں بیان ہوئے ہیں ان کا بھی ممکن ہونا قیامت کی بعض صورتوں میں انہیں تسلیم ہے۔

ڈاکٹر بکائی کے نزدیک ان کے علاوہ بھی بعض امور ایسے ہیں جن میں قرآن کا بیان اپنے زمانہ کے مروجہ خیالات سے مختلف اور موجودہ سائنسی انکشافات کے مطابق ہے۔ مثلاً بارش کے پانی کا ایک حصہ کا نباتات کا نشوونما کرتے ہوئے زمین کی گہرائیوں میں اتر کر محفوظ رہنا (۲۳/۱۸، ۱۹) جیسا کہ کنوؤں اور چشموں کی شکل میں ہم دیکھتے ہیں۔ آبی دورہ کے متعلق صحیح معلومات ۱۵۸۰ میں حاصل ہوئی ہیں۔ مگر قرآن کے اس قسم کے بیان کی قدر صرف ایسے لوگوں پر واضح ہو سکتی ہے جو ڈاکٹر بکائی کی طرح ان امور کی تاریخ تلاش کر کے زمانہ نزول قرآن نیز اس سے پہلے اور پچھلے زمانہ کے لوگوں کے خیالات معلوم کر سکتے ہوں۔ اس لئے فہرست بالا میں ہم نے ایسے امور کو نہیں لیا۔

ہمارا کہنا یہ ہے کہ دیندار مسلم سائنسدانوں کو چاہئے کہ قرآن مجید سے ایسے تمام اشاروں کی ایک مفصل و مشرح فہرست تیار کریں اور اس کو قرآن کے کلام الٰہی ہونے کے ثبوت میں منجملہ دوسرے ثبوتوں کے غیر مسلموں پر تبلیغی و دعوتی [illegible] سے پیش کریں۔ یہ ایک بڑی دینی خدمت موجب اجر عظیم ان شاء اللہ ہوگی۔ ان کا یہ کام نہیں کہ وہ قرآن مجید کی تکوینی آیات کی صداقت علوم جدیدہ کے نظریات و انکشافات کی روشنی میں جانچیں۔ کیونکہ مسلم ہونے کی حیثیت سے وہ قرآن کے کلام الٰہی ہونے پر ایمان رکھتے ہیں۔ البتہ ایک غیر مسلم کو ایسا کرنے کا پورا حق ہے اور ہمیں بھی اسے اس کام کی ترغیب اور جو مدد اس میں ممکن ہو دینا چاہئے۔

کوٹیشن

زیر دستخطی کو مندرجہ ذیل مال کی فراہمی کے لئے سربمہر کوٹیشن مطلوب ہیں جو کہ زیر دستخطی کو مورخہ ۸۷-۱-۱۸ بوقت بارہ بجے دوپہر تک پہنچ جانا لازمی ہے۔

نمبر شمار	تفصیل مال	تعداد	زر بیعانہ	کیفیت
۱-	خاردار تار ۱۴ گیج	۲۵ میٹرک ٹن	مبلغ =/۱۵۰۰۰ روپے	بغیر لکڑی کے
۲-	پولہ لمبائی ۵ تا ½ ۵ فٹ قطر ۳ تا ۵ انچ چھوٹے سرے پر	تعداد دس ہزار ۱۰۰۰۰	مبلغ =/۵۰۰۰ "	از قسم ایلنتھس بکائن پاپلر۔ شیشم۔ توت۔ کیکر کہو کے ہونے چاہئیں

۳- نرخ پولز فی سینکڑہ اور خاردار تار فی میٹرک ٹن کے حساب سے دینا ہوگا۔

۴- تعداد میں کمی بیشی کی جا سکتی ہے۔

۵- مال زیر دستخطی کو بمقام تیمرگرہ پہنچانا لازمی ہوگا۔

۶- کوٹیشن دہندہ کو زر بیعانہ کال ڈیپازٹ کی صورت میں اپنے کوٹیشن کے ساتھ منسلک کرنا ہوگا۔ بصورت دیگر کوٹیشن قابلِ قبول نہ ہوگا۔

۷- زیر دستخطی کسی بھی کوٹیشن کو بلا وجہ بتائے منظور یا نامنظور کرنے کا حق رکھتے ہیں۔

۸- مزید معلومات دفتر ہذا سے کسی بھی وقت دفتری اوقات کار میں حاصل کر سکتے ہیں۔

دستخط

مہتمم جنگلات

ضلع دیر۔ بمقام تیمرگرہ

(INF (P) 54)

پبلک نوٹس نمبر ۸۷/۱

سرکاری شعبہ سے تعلق رکھنے والے ایک ادارہ کو مندرجہ ذیل افراد کی ضرورت ہے۔

(i) سنیئر ٹیکنیشین (الیکٹریکل/مکینیکل)

شرح تنخواہ ۱۰۰۰ - ۵۰ - ۲۰۰۰ روپے

قابلیت و تجربہ کسی تسلیم شدہ پولی ٹیکنیک انسٹی ٹیوٹ سے ۳ سال کا ڈپلومہ آف ایسوسی ایٹ انجینیرنگ (الیکٹریکل/مکینیکل) نیز کم از کم ۳ سال کا عملی تجربہ جو متعلقہ کوالیفکیشن کی تکمیل کے بعد حاصل کیا گیا ہو۔

(ii) ٹیکنیشین - I (الیکٹریکل)

شرح تنخواہ - ۸۵۰ - ۳۵ - ۱۵۵۰ روپے

قابلیت و تجربہ کسی تسلیم شدہ پولی ٹیکنیک انسٹی ٹیوٹ سے ۳ سال کا ڈپلومہ آف ایسوسی ایٹ انجینیرنگ (الیکٹریکل)

(iii) ٹیکنیشین - II (کیمیکل)

شرح تنخواہ - ۶۵۰ - ۲۵ - ۱۱۵۰ روپے

قابلیت و تجربہ۔ انٹر (سائنس) نیز کسی ممتاز ووکیشنل انسٹی ٹیوٹ سے کیمیکل انجینیرنگ میں ڈپلومہ (ترجیحاً دو سال) تاہم ووکیشنل سرٹیفکیٹ اور متعلقہ تجربہ کی بنیاد پر مقررہ تعلیمی قابلیت میں رعایت کرتے ہوئے تقرری پر غور کیا جا سکتا ہے۔

(iv) سائنٹیفک اسسٹنٹ - II (فزکس/کیمسٹری/میتھمیٹکس)

شرح تنخواہ - ۶۵۰ - ۲۵ - ۱۱۵۰ روپے

قابلیت۔ انٹر سائنس (ترجیحاً فرسٹ کلاس)

درخواستیں مکمل تفصیلات کے اندراج نیز تصدیقات، قومی شناختی کارڈ کی عکسی نقول اور تین عدد پاسپورٹ سائز تصاویر کے ساتھ زیر دستخطی کو ۵ فروری ۱۹۸۷ء تک حتمی طور پر ارسال کر دی جائیں ملازمت کرنے والے افراد لازماً متعلقہ محکمہ کے توسط سے درخواستیں دیں۔

مذکورہ بالا اسامیوں کے لئے عمر کی بالائی حد ۳۵ سال ہے۔

(دستخط) ایڈمنسٹریٹر

پی او بکس نمبر ۱۳۳۱ - اسلام آباد

P.I.D(ISLAMABAD) 3623/47

مولانا مفتی غلام الرحمٰن صاحب۔ مدرس دارالعلوم حقانیہ

۴

حقانیہ سے ازہر تک

مشورہ یہ ہوا کہ اس کی تمام تر ذمہ داری پاکستانی سفارت خانے پر ہے کہ جنہوں نے اس ناقص انتظام کے باوجود متعلقہ وزارت کو باخبر نہیں رکھا جس کی وجہ سے وزارت مذہبی امور نے انتخاب میں غلطی کی۔ اگر وزارت کو یہ حالت معلوم ہوتی تو وہ ہرگز ہمارے ان بزرگ ساتھیوں کو دوبارہ طالب علمی کے لئے نہ بھیجتے۔ لہذا سفیر پاکستان راجہ ظفر الحق صاحب کو ان کمروں میں بلایا جائے تاکہ وہ اس حالت کو دیکھ کر کچھ فیصلہ کر سکیں۔

شام کے وقت راجہ ظفر الحق صاحب تشریف لے آئے۔ راجہ صاحب سابق وزیر اطلاعات ونشریات ہیں۔ ۱۹۸۵ء کے عام انتخابات میں شکست کھانے کے بعد آپ کو مصر میں پاکستان کا سفیر مقرر کیا گیا۔ راجہ صاحب بذات خود شریف النفس انسان ہیں۔ علم دوست اور علماء پرور شخصیت ہیں۔ ختم نبوت کی تحریکوں میں ان کی خدمات اور سعی جمیلہ کا ہر ایک کو اعتراف ہے۔

مولانا اسلم قریشی نے جب ایم ایم احمد قادیانی پر حملہ کر کے جہنم رسید کرنا چاہا تو راجہ صاحب نے اس وقت حکومت اور قادیانیوں کی دھمکیوں کے باوجود بغیر کسی دنیوی لالچ کے ختم نبوت کے اس نڈر سپاہی کی سرکار کچہری میں وکالت کی۔ مقدمہ جیت کر علماء حق کے زمرہ میں ہر دلعزیز بنے۔ اہل اللہ اور علماء سے فطری محبت کی وجہ سے آپ نے مصر میں جا کر بھی ایک مسلمان ملک کی خوب سفارت کی۔ علمی حلقوں سے تعلقات بنا کر وہاں کے علماء کے دل بھی موہ لئے۔

راجہ صاحب نے شرکاء وفد کے سامنے تقریر کرکے پہلے ازہر والوں کا شکریہ ادا کیا اور پھر شرکاء وفد سے فرداً فرداً ملاقات کرکے انہیں خوب تسلی دی۔ متعلقہ کمروں میں جا کر جب ناقص انتظامات سے باخبر ہوئے تو ساتھیوں کو صبر کی تلقین کراتے رہے۔ چند اشکالات کا موقعہ پر ازالہ فرمایا۔ اور باقی ضروریات کی تکمیل کرانے کے لئے سکریٹری کو ہدایت کی۔

راجہ صاحب نے ان تین مہینوں میں شرکاء وفد سے بڑا شفقت آمیز رویہ رکھا۔ حج اور عمرہ کے لئے ویزا کی حصولی میں آپ نے اور سفارت خانے کے تھرڈ سکرٹری طارق اقبال بٹ صاحب نے بھی تعاون کیا۔

راجہ صاحب سے ملاقات کے بعد ساتھیوں نے کچھ اطمینان کا سانس لیا۔

سب اس انتظار میں تھے کہ شرکار کورس کی مطلوبہ تعداد پوری ہونے پر باقاعدہ طور پر افتتاح ہو۔ پاکستانی وفد پہنچنے کے بعد جس وفد کا انتظار کرنا پڑا وہ سینیگال کے علمار کا وفد تھا تاہم باقاعدہ افتتاح سے قبل بھی شرکار کورس کو مصروف رکھا گیا۔ گویا عملی طور پر کورس کا افتتاح ہمارے پہنچنے کے دو دن بعد یعنی ۱۳ اپریل کو ہو چکا تھا۔ سرکاری سطح پر افتتاح کو کافی اہمیت دی گئی۔ اخبارات اور دیگر ذرائع ابلاغ کے ذریعہ خوب تشہیر کی گئی کہ ۱۸ اپریل بروز سوموار شیخ الازہر جاد الحق علی جاد الحق غیر ملکی خطبار اور ائمہ کے سہ ماہی تربیتی کورس کا افتتاح کریں گے۔

شیخ الازہر کا عہدہ "شیخ الازہر" کا یہ عہدہ مملکت مصر میں ایک اہم عہدہ سمجھا جاتا ہے۔ اس منصب پر فائز ہونے والا شخص علم اور تحقیق کے میدان میں فوقیت کے علاوہ مذہبی حلقوں میں اس کی رائے کو خاص اہمیت دی جاتی ہے۔ علی باشا مبارک کے بیان کے مطابق، یہ منصب مملکت مصر میں چار سو سال سے مروج ہے۔ اس کی ضرورت اس وقت محسوس ہوئی جب جامعہ ازہر میں طلبار کی کثرت ہوئی۔ یہ ضروری پایا کہ انتظامی اور تعلیمی امور کے لئے ایک فرمہ دار شخص مقرر ہو جائے۔ جو ان جملہ امور کی ذمہ داری اٹھا کر اس کا اہتمام کرے۔ ابتدائی ایام میں یہ عہدہ مذاہب میں محصور رہا۔ چنانچہ اولاً یہ منصب موالک میں، پھر شوافع میں اور پھر احناف میں رہا۔ لیکن رفتہ رفتہ مسلک و مذہب کا یہ امتیاز ختم ہوا۔ اور کسی خاص مذہب سے اس کا خصوصی تعلق نہ رہا۔ آج تک مشائخ ازہر کی یہ طویل فہرست بیالیس مشائخ پر مشتمل ہے جن کے اسمار یہ ہیں:۔

الشیخ الامام محمد عبداللہ الخراشی، پیدائش ۱۶۰۱ء وفات ۱۶۹۰ء۔ الامام ابراہیم البرمادی وفات ۱۶۹۴ء۔ الامام محمد النشرتی وفات ۱۷۱۹ء۔ الامام عبدالباقی القلیمی وفات ۱۷۱۹ء۔ الامام محمد شنن وفات ۱۷۲۱ء۔ الامام ابراہیم الفیومی۔ پیدائش ۱۶۵۲ء وفات ۱۷۲۵ء۔ الامام عبداللہ الشبراوی پیدائش ۱۶۸۰ء وفات ۱۷۵۷ء۔ الامام محمد الحفنی، پیدائش ۱۶۸۹ء، وفات ۱۷۶۷ء۔ الامام عبدالرؤف السجینی پیدائش ۱۷۴۱ء وفات ۱۷۶۸ء و الامام احمد الامنہوری پیدائش ۱۶۸۹ء، وفات ۱۷۷۸ء۔ الاستاذ احمد العروسی پیدائش ۱۷۲۱ء وفات ۱۷۹۳ء۔ الامام عبداللہ الشرقاوی پیدائش ۱۷۳۷ء وفات ۱۸۱۲ء۔ الامام محمد الشنوانی وفات ۱۸۱۸ء۔ الامام محمد العروسی وفات ۱۸۲۹ء۔ الامام احمد الامہوجی پیدائش ۱۷۵۶ء وفات ۱۸۳۰ء۔ الامام حسن العطار پیدائش ۱۷۶۸ء وفات ۱۸۳۴ء۔ الامام حسن القویسنی وفات ۱۸۳۸ء۔ الامام احمد عبدالجواد السغطی وفات ۱۸۴۷ء۔ الامام ابراہیم الباجوری پیدائش ۱۷۸۴ء وفات ۱۸۶۰ء۔ الامام مصطفی محمد العروسی پیدائش ۱۷۹۸ء وفات ۱۸۷۶ء۔ الامام محمد المہدی العباسی، پیدائش ۱۸۲۷ء وفات ۱۸۹۸ء۔ الامام شمس الدین الانبابی پیدائش ۱۸۲۴ء وفات ۱۸۹۶ء

الامام حسونۃ النواوی وفات ۱۹۲۴ء۔ الامام عبدالرحمن النواوی پیدائش ۱۸۳۹ء وفات ۱۹۱۶ء۔ الامام سلیم بن ابی فراج البشری پیدائش ۱۸۳۲ء وفات ۱۹۱۶ء الامام علی محمد ابیلاوی پیدائش ۱۸۳۵ء وفات ۱۹۰۵ء۔ الامام عبدالرحمن الشربینی وفات ۱۹۲۶ء۔ الامام محمد ابوالفضل الجیزاوی پیدائش ۱۸۴۷ء وفات ۱۹۲۷ء۔ الامام محمد مصطفی المراغی پیدائش ۱۸۸۱ء وفات ۱۹۴۵ء۔ الامام محمد الاحمد الظواہری پیدائش ۱۸۸۷ء وفات ۱۹۴۴ء الامام مصطفی عبدالرزاق پیدائش ۱۸۹۵ء وفات ۱۹۴۷ء۔ الامام محمد مامون الشناوی پیدائش ۱۸۷۰ء وفات ۱۹۵۰ء۔ الامام عبدالمجید سلیم پیدائش ۱۸۸۲ء وفات ۱۹۵۴ء۔ الامام ابراہیم ابراہیم حمروش پیدائش ۱۸۸۰ء وفات ۱۹۶۰ء۔ الامام محمد الخضر حسین پیدائش ۱۸۷۶ء وفات ۱۹۵۸ء۔ الامام عبدالرحمن تاج پیدائش ۱۸۷۶ء وفات ۱۹۷۵ء۔ الامام محمد شلتوت وفات ۱۹۶۳ء۔ الامام حسن مامون پیدائش ۱۸۹۴ء وفات ۱۹۷۳ء۔ الامام محمد الفحام پیدائش ۱۸۹۴ء وفات ۱۹۸۰ء۔ الامام عبدالحلیم محمود پیدائش ۱۹۱۰ء وفات ۱۹۷۸ء۔ الامام محمد عبدالرحمن بیصار پیدائش ۱۹۱۰ء وفات ۱۹۸۲ء۔ جادالحق علی جادالحق پیدائش ۱۹۱۷ء

اگست ۱۹۶۱ء کے آئین دفعہ ۳۰ سے اس کی اہمیت اور بڑھ گئی جس وقت شیخ الازہر کو "امام الاکبر" کا درجہ دیا گیا۔ اس عہدہ پر تقرری کا تعلق بالذات صدر مملکت سے ہوتا ہے۔ پروٹوکول کے مطابق اگرچہ یہ عہدہ ایک وزیر کے مساوی شمار کیا جاتا ہے۔ لیکن جامعہ سے نسبت مشیخیت کی وجہ سے "شیخ الازہر" عموماً صدر کا نائب تصور کیا جاتا ہے۔ ان تمام مشائخ ازہر کا تفصیلی تعارف اس مختصر مضمون میں مشکل ہے۔ لیکن قریب مدت میں گزرے ہوئے شیخ الازہر شیخ عبدالحلیم محمود کے خصوصی تذکرہ کے بغیر اس منصب کی حیثیت اجاگر نہیں ہوگی۔ آپ مصر میں ایک ہر دلعزیز شخصیت تھے۔ آج تک ازہریوں کے دل و دماغ پر چھائے ہوئے ہیں۔ ازہر کی موجودہ ترقی کا تمام تر سہرا ڈکتور عبدالحلیم محمود کے سر ہے۔ ۱۱ اپریل ۱۹۷۳ء سے لے کر وفات تک آپ اس منصب پر فائز رہے۔ آپ کی آمد سے قبل جامعہ ازہر صرف دس کالجوں سے عبارت تھی۔ آپ نے ترقی دے کر ۳۵ کالجوں تک دائرہ وسیع کر دیا۔ آپ کا دور ازہر سنہری دور شمار ہوتا ہے۔ آپ کی وفات پر قائد جمعیت استاد محترم حضرت العلامہ مولانا سمیع الحق صاحب نے ان الفاظ میں خراجِ عقیدت پیش کی:۔

"شیخ الازہر کا ہر دور میں ایک خاص مقام رہا ہے۔ مگر مرحوم (شیخ عبدالحلیم محمود) کا شمار ازہر کے ان گنے چنے مشائخ کرام میں ہوگا جن کو اللہ تعالیٰ نے علم کے ساتھ عمل، ظاہر کے ساتھ باطن، شریعت کے ساتھ طریقت کی نعمتوں سے نوازا تھا۔ علم و تقویٰ، زہد و عمل۔ تجرد و للہیت ہر پہلو سے آپ کی ذات نمونہ تھی"

ماخوذ از الحق جلد ۱۴۔ شمارہ ۱

افتتاحی تقریب | اس سادہ اور پروقار تقریب میں شیخ کے علاوہ چند مسلمان ممالک کی سفراء کو بھی دعوت

دی گئی تھی۔ برونائی اور ملائشیا کے سفیروں کے علاوہ ہمارے سفارت خانے کے منسٹر نے سفیر صاحب کی نیابت کی۔ تقریب کی ابتدائی کارروائی انڈونیشیا کے ایک طالب علم سورہ فتح کی ابتدائی چند آیتوں کی تلاوت سے ہوئی۔ بعدازاں مدینۃ البعوث الاسلامیہ کے مشرف عام نے شیخ الازہر اور دیگر مہمانوں کو خوش آمدید کہا جب کہ دکتور عبدالودود شلبی (جو اس کورس کے روح رواں اور دعوۃ اسلامیہ کے امین العام تھے) نے شرکا کورس کی تعارف کے بعد اس کے انعقاد اور غرض وغایت پر روشنی ڈالی۔ اہل لسان ہونے کے علاوہ فن خطابت میں غیر معمولی مہارت کی وجہ سے تقریب پر چھا گئے۔

غیر ملکی سفراء میں سے جن حضرات کو تقریر کرنے کی دعوت دی گئی وہ پاکستانی سفارت کے نمائندے منسٹر صاحب تھے۔ آپ نے عربی سے ناواقفیت کی بنا پر اپنے خیالات کا اظہار انگریزی میں کیا جس کی ترجمانی سفارت خانے کے تھرڈ سکرٹری طارق اقبال بٹ نے کی۔ آخر میں شیخ الازہر کے مختصر خطاب سے تقریب اختتام پذیر ہوئی اختتام پر جملہ مہمانوں کی ضیافت ٹھنڈے مشروبات سے کی گئی۔ ریڈیو۔ ٹی۔ وی کے علاوہ ملک کے اہم جرائد اور اخبارات نے کارگزاری کو شہ سرخیوں سے شائع کیا۔ روزانہ دو دو محاضرے ہوتے۔ البتہ جمعرات کے دن دو کے بجائے تین محاضرے ہوا کرتے۔ جمعہ کے دن چھٹی ہوتی۔ چاہیئے کہ ہر ایک ڈاکٹر کے متعلقہ موضوع سے کچھ اقتباسات کی جگہ ان دکاترہ کا کچھ تذکرہ مناسب رہے گا۔ پھر بھی چند معروف شخصیات کے تذکرے میں قدرے تفصیل سے کام لے کر باقی حضرات کا اجمالی تعارف کراؤں گا۔

استاذ ابراہیم خلیل آپ کا موضوع بحث "مقارنۃ الادیان" یعنی تقابل ادیان رہا۔ ہر بیر کے دن صبح تشریف لائے۔ ڈیڑھ دو گھنٹے تک بیان فرمائے۔ ابتدا میں ناواقفیت، لغت عامیہ سے عدم مناسبت کے علاوہ زبان میں معمولی لکنت کی وجہ سے بات سمجھنے میں کچھ دقت ہوتی۔ لیکن مانوس ہونے کے بعد محسوس ہوا کہ آپ علم کے اس بحر بیکراں سے تحقیق کی موتی چن چن کر نکالتے ہیں۔ یقیناً آپ یہودیت، عیسائیت اور اسلام پر تقابلی رنگ میں کافی معلومات کے مالک تھے۔

آپ ۱۳ جنوری ۱۹۱۹ء کو بحر ابیض کے کنارے مصر کے خوبصورت شہر "اسکندریہ" میں پیدا ہوئے۔ آپ کی زندگی تاریخ اسلام کی حقانیت کی ایک دلیل ہے۔ آپ کی حیات اسلام کے ناسخ دین ہونے کی زریں حقیقت کو بھی بے نقاب کرتی ہے۔ آپ کی زندگی تلخ و شیریں سے پر ہے۔ زندگی کے اس میدان کارزار میں آپ کو مختلف مدارج طے کرنے پڑے۔

آپ نے جس گھرانے میں آنکھ کھولی وہ گھرانہ انسان کے پیدائشی عاصی بپتسمہ اور کفارہ جیسے لایعنی عقائد کا قائل تھا۔ آپ جس گود میں پھولے وہ عیسائیت کی غم خوار اور ہمدرد تھی۔ جس مدرسہ میں پڑھا وہ عیسائیت

کا علمبردار تھا۔ یہی وجہ ہے کہ تعلیم سے فراغت کے بعد آپ عیسائیت کے مذہبی فرائض کی ادائیگی کے لئے "راعی الکنیسہ" مقرر ہوئے۔ عیسائی مبلغین میں سرگرم اور فعال شخصیت ہونے کی وجہ سے بہت جلد "قسیس" کا لقب پایا۔ لیکن جس قلب و دماغ کے مقدر میں راہ حق کا پانا ہو۔ اس کو بہت جلد ہی یہ راستہ دکھا دیا گیا۔ خود فرماتے ہیں۔ کہ

تحقیق اور ریسرچ کی ذمہ داری کی وجہ سے ۱۹۵۵ء میں ایک دفعہ میری نظر کلام اللہ کی اس آیت مبارکہ پر پڑی

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَکْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ (الآیہ)

جناب ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ اس آیت پر نظر پڑنے سے میری سعادت کی ابتدائی ہوئی۔ اطمینان قلب کے لئے جملہ مواد یہاں سے میسر ہوئے۔ اگرچہ ابتدائی ایام تھے لیکن حقیقت کی تلاش میں خالی الذہن ہو کر میں نے پورے مذہب عیسائیت کو دیکھا۔

آریوس اور لونیروس کی آراء کے علاوہ تورات و انجیل کا حرف بحرف مطالعہ کرتا رہا۔ اس حقیقت کی تلاش کے جرم میں اپنوں کے مظالم کے لئے تختۂ مشق بھی بنا۔ لیکن ان کی پرواہ کئے بغیر میں نے اپنا کام جاری رکھا جذبۂ تلاش دن بدن قوی سے قوی تر ہو رہا تھا۔ یہاں تک کہ مذہبی ذمہ داریوں کو بھی خیر آباد کہہ کر ہمہ تن "النبی الامی" کی تلاش میں رہا۔ آخر کار جب خداوند لایزال کی شان کریمانہ اور رحیمانہ جوش میں آئی اور مقدر کا وہ وقت پورا ہوا۔ جہل و کفر و استبداد کے دور سے نکل کر اسلام کی زندگی مقدر بن گئی۔ تو مذہبی سرپرست کو ان الفاظ میں اپنے ایمان کا اظہار کر کے مشرف باسلام ہو رہے ہیں۔

"آمنت باللہ الواحد الاحد وبمحمد رسولاً نبیاً"

اسلام لانے کے بعد آپ کی عمر کا اکثر حصہ تحقیق کے میدان میں گذرا۔ آج بھی ان ہی امور میں مصروف ہیں۔ آپ کے ایمان لانے سے آپ کے تین بیٹے اور ایک بیٹی (جو کہ تمام اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں) بھی مشرف باسلام ہوئے۔

محقق عالم ہونے کی وجہ سے "استشراق" فتنہ اسرائیلیت اور تقابل ادیان جیسی اہم موضوعات آپ کے قلم کی جولان گاہ ہیں۔ ان ہی موضوعات پر نصف درجن سے زائد تصانیف مصر کے مشہور مطابع سے بار بار طبع ہو رہی ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ اہمیت آپ کی مشہور زمانہ تصنیف "محمد فی التورات والانجیل والقرآن" کو حاصل ہے۔

محمد فی التوراۃ والانجیل والقرآن یہ کتاب استاذ موصوف کے اس قیمتی علمی سرمایہ کا ایک مجموعہ ہے جو آپ کی رشد و ہدایت کے لئے ذریعہ بنی۔ مصر کے مختلف مطابع سے پانچ دفعہ کثیر تعداد میں طبع ہوئی۔ کتاب کی خصوصیت

یہ ہے کہ موضوع کے اثبات میں پورا علمی مستند سرمایہ فراہم کر رہی ہے۔ تورات وانجیل کی ورق گردانی اور سطر بینی کے بعد یہ حقیقت کھل جاتی ہے کہ "یجدونہم مکتوبا عندہم فی التورات والانجیل" کی یہ تائید الی یوم القیامہ ہوتی رہے گی

اس اہم مسئلہ کے علاوہ کتاب کے مطالعہ سے "عیسائیت" سے انسان واقف ہوجاتا ہے۔ اور بے اختیار یہ صدائیں نکلتی ہیں کہ موجودہ دور میں عیسائی مذہب اضافوں اور ترمیمات کی وجہ سے ایک آسمانی دین نہیں رہا اور نہ حضرت عیسی علیہ السلام کے فرمودات سے اس کا کچھ تعلق ہے۔ جب کہ خود ساختہ عقائد و مسائل کا دوسرا نام مذہب عیسائیت ہے۔ جیسی کہ یہ حقیقت تثلیث کے مسئلہ میں مصنف واضح کر رہے ہیں۔

مشائخ ازہر میں دوسری پرکشش اور موثر شخصیت دکتور مصطفے اشلبی کی ہے۔

دکتور مصطفے اشلبی | ۵۷ سال سے زائد معمر شخصیت، ہنس مکھ۔ خوش مزاج اور خوش اخلاقی کے علاوہ اوصاف حمیدہ کے مالک ہیں۔ آپ ۱۹۱۰ء میں محافظہ منوفیہ کے "دمیت عفیف" نامی گاؤں میں پیدا ہوئے۔ حفظ قرآن مجید اور ابتدائی تعلیم کے بعد آپ جامعہ ازہر سے منسلک ہوئے۔ یہاں تک کہ دراسات علیا کے اسناد ازہر سے لئے۔ ۱۹۴۵ء میں آپ نے "تعلیل الاحکام فی الاصول" جیسے معرکۃ الآرا مسئلہ پر تخصص کرکے پی ایچ ڈی (دکتورہ) کی ڈگری امتیازی کامیابی سے حاصل کی۔

"تعلیل الاحکام فی الاصول" کے نام سے آپ کا مجموعہ شائع ہوا۔ اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ خود ازہر نے زیور طبع سے آراستہ کرکے دنیا کی عظیم یونیورسٹیوں اور اہم شخصیات کی خدمت میں بطور تحفہ بھیجا۔

علاوہ ازیں فقہی موضوعات پر آپ کی قیمتی تصنیفات ہیں جن میں المدخل لدراستہ الفقہ الاسلامی (جو مصر اور بیروت سے گیارہ مرتبہ شائع ہوئی) احکام الاسرۃ فی الاسلام۔ کتاب احکام الوصایا۔ احکام المواریث اور کتاب اصول الفقہ الاسلام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

فقہی امور سے آپ کا دلی لگاؤ ہے یہی وجہ ہے کہ آپ کا رشحات قلم کا زیادہ تر تعلق فقہ اور قیاس سے رہا ہے۔ آپ "نشاۃ المذاہب" موضوع پر بحث کرتے۔ او رہفتہ کے دن تشریف لاتے۔ بغیر کسی ناغہ کے باقاعدہ وقت پر حاضر ہوتے۔ آپ کے بعد کسی دوسرے ڈاکٹر کا محاضرہ نہیں رہتا۔ اس لئے ظہر کی نماز تک آپ لگے رہتے کبھی کبھار یوں بھی ہوتا کہ محاضرہ کو جاری رکھ کر بعد میں دوسری جماعت کراتے۔ فقہی مسائل میں منصف مزاج تھے دوران درس امام ابوحنیفہ کے مداح رہتے۔ بسا اوقات یہاں شبہ ہوتا کہ کہیں آپ حنفی المسلک ہیں۔ تمام اساتذہ میں آپ انفرادی خصوصیت کے مالک تھے۔ جب کسی مسئلہ پر بحث شروع کرتے تو مسئلہ کی تہہ میں جاتے۔ اور نادر مسائل بیان فرماتے۔ اثبات قیاس میں جو دلائل آپ نے دئے ان میں اکثر دلائل کا ملنا کتابوں کے صفحات پر مشکل ہے۔ اس محققانہ

انداز بیان کو دیکھ کر ہمارے ایک شریک درس حضرت مولانا علی اصغر صاحب خطیب پنجاب نے ایک دفعہ فرمایا کہ بابا مصطفےٰ شلبی یوں بولتا ہے جیسا کہ علامہ شمس الحق افغانی بول رہا ہو۔ انداز بیان سادہ ہوتا۔ کسی مشکل مسئلہ کو آسان سے آسان تر بنانے کی کوشش میں رہتے الغرض ایک استاذ کی جملہ خوبیوں کے آپ مالک تھے۔

"تاہم لغت عامہ سے عادی ہونے کی وجہ سے آپ عامی لغت میں گفتگو فرماتے۔ عادت سے مجبور ہو کر تلاوت قرآن اور حدیث کی نقل میں بھی زبان عامی لغت کو اختیار کر لیتی۔ مثلاً ایک دفعہ فرمایا۔ ان علینا لمعہ وقرآنہ۔

میں نے پوچھا کہ حضرت آپ پر لغت عامی کا اثر کیوں اتنا غالب ہے۔ ایک جید عالم ہونے کی حیثیت سے آپ پر فصیح عربی رنگ غالب ہونا چاہئے۔ جب کہ اس کے برعکس آپ لغت عامی بول رہے ہیں۔ فرمایا نہ عمر بھر یونیورسٹیوں میں رہ کر لغت عامی سے واسطہ رہا ہے اس لئے کوشش کے باوجود بھی زبان بے ساختہ لغت عامی کو اختیار کر لیتی ہے۔

رابطہ عالم اسلامی کے "مجمع الفقہ الاسلامی" اور مجلس الاعلیٰ کے شئون اسلامیہ کی رکنیت کے علاوہ آپ مصر کے اہم مذہبی سربراہ ادارہ "مجمع البحوث الاسلامیہ" کے ممبر ہیں۔ (جاری ہے)
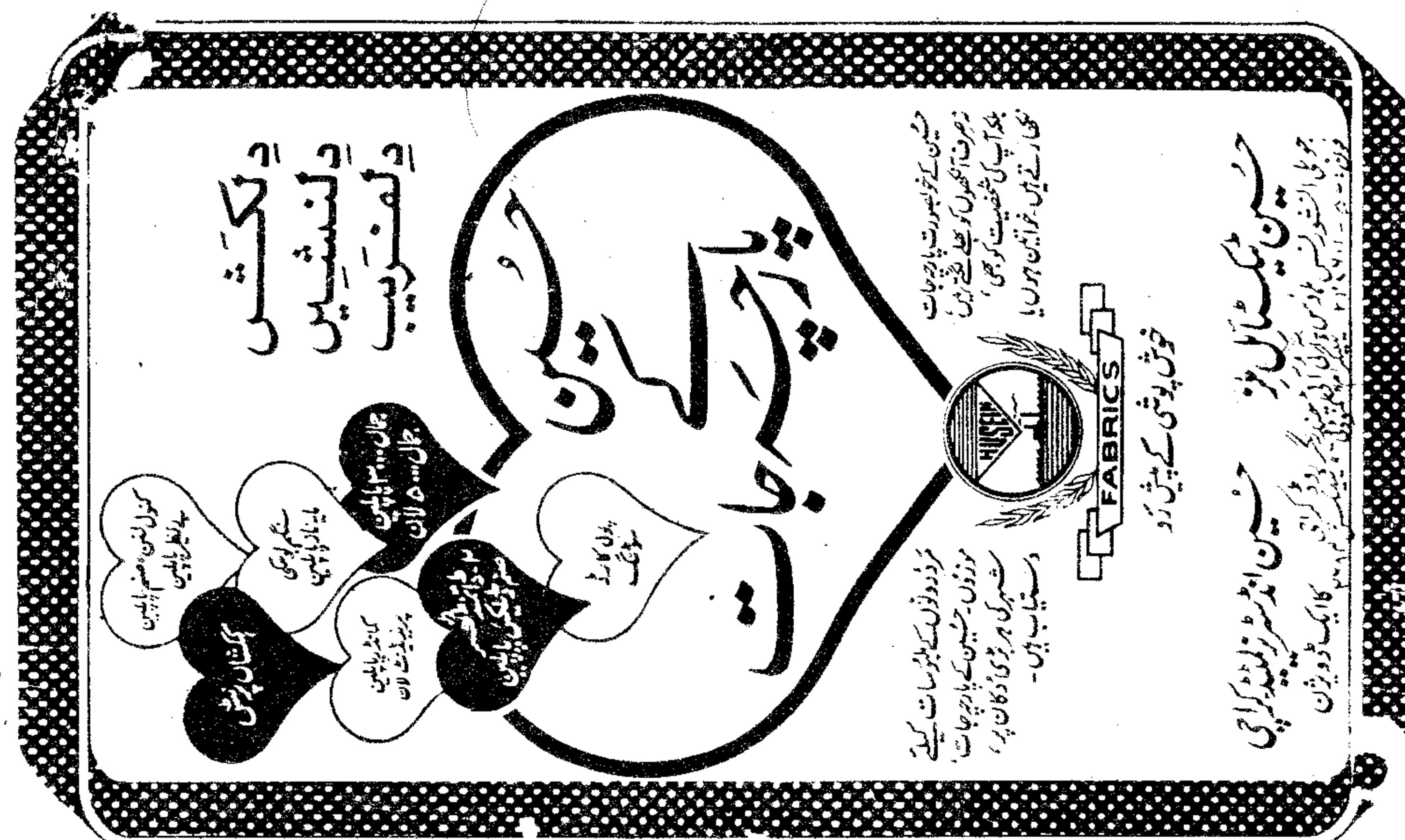
افکار و تاثرات

* مرزائیوں کی دھمکی
* مکتوب مکۃ المکرمہ
* مدارس عربیہ میں تربیت
* تعلیمی انعامات میں اداکاروں کا تعارف

مرزائیوں کی دھمکی

استاذ محترم مولانا سمیع الحق صاحب دامت برکاتہم کی خداداد جرأت و شجاعت اور بروقت و برمحل گرفت سے قارئین الحق بخوبی واقف ہیں۔ اپنی ان صفات محمودہ کی بنا پر آپ نے ماہنامہ الحق اگست ۱۹۸۵ء کے شمارہ میں چودھری ظفر اللہ خان قادیانی کی وفات پر تعزیت کرنے والے بعض افراد کے بارہ میں جرأت مندانہ ادارتی تحریر لکھی۔ جو حسب توقع مرزائیت کے سینہ میں ایک بہت بڑا کیل ثابت ہوا۔ جس کی وجہ سے مرزائیت کے آرگن ماہنامہ تحریک جدید نے "کس نے کیا کہا" کے عنوان سے مولانا مدظلہ کی تحریر نقل کی۔ اور اس پر تنقید و تبصرہ بھی لکھا۔

حضرت استاذ مدظلہ نے اپنی ادارتی تحریر میں ان لوگوں کی مذمت کی ہے۔ جنہوں نے چودھری صاحب مذکور کی وفات پر تعزیتی پیغامات بھیجے اور نشر کرائے اور پسماندگان سے ہمدردی کا اظہار کیا۔ اور چودھری صاحب علیہ ما علیہ کو خراجِ تحسین پیش کیا اور بعض نے تو شرعی حدود سے تجاوز کر کے اس کافر و مرتد کے لیے روح کی ٹھنڈک کی دعائیں کیں۔

اور یہ عام اَن پڑھ لوگ نہیں ہیں بلکہ صدر مملکت اور وزیر اعظم، کابینہ، وکلاء، سپریم کورٹ اور ہائی کورٹ کے جج۔ وفاقی محتسب اور سیاسی لیڈرانِ عظام جیسے اشخاص ہیں۔ اس پر مرزائی آرگن ماہنامہ تحریک جدید نے اپنے تبصرہ میں لکھا:۔

"اب آپ خود اندازہ کریں کہ ایک طرف مولوی سمیع الحق صاحب ایک ماہنامہ کے مدیر اور دوسری طرف صدر مملکت، وزیر اعظم، کابینہ، وکلاء، سپریم کورٹ اور ہائیکورٹ کے جج، وفاقی محتسب، سیاسی لیڈر ترازو کے پلڑوں میں رکھ کر دیکھ لیجئے۔ کہ مولوی سمیع الحق صاحب زیادہ وزنی ہیں یا دیگر تمام حضرات جنہوں نے چودھری صاحب کو خراجِ عقیدت پیش کیا"

میں تحریک جدید سے پوچھتا ہوں کہ ترازو کے کس پلڑے میں رکھیں۔ شریعت مصطفٰے (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ترازو کے پلڑے میں یا شریعت مرزا کے ترازو کے پلڑے میں۔ اگر شریعت مصطفٰے کے ترازو کے پلڑے میں رکھتے ہیں تو مولانا سمیع الحق صاحب زیادہ وزنی بنتے ہیں کیونکہ آپ ایک بلند پایہ عالم دین ہیں اور شریعت مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم

کا۔ اعلان ہے ہل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون۔ اور اگر شریعت مرزا کے ترازو میں رکھیں تو ظاہر ہے کہ کہ تمہاری مراد بھی یہی ترازو ہے۔ تو پھر صدر مملکت اور وزیر اعظم وغیرہ تمام حضرات وزن والے بن جاتے ہیں۔ کیونکہ اس ترازو سے تو وہی نتیجہ نکلے گا جسے تمہارا خود ساختہ نبی بتا چکا ہے۔ ان تمام لوگوں کو جو تمہارے جھوٹے نبی پر ایمان نہ لائے اولاد البغایا کہا گیا ہے۔

واقعی استاذ محترم نے ادارتی تحریر میں عقل وخرد اور تدبیر و دانش کے مرپیٹنے کی جو بات فرمائی ہے بالکل صحیح اور درست ہے۔ کیونکہ یہ کہاں کا عقل وخرد ہے کہ ایک مرتد اور کافر کی طرف سے تو اس قسم کی غلیظ گالیاں دی جائیں۔ اور جب ان میں سے کوئی جہنم رسید ہو جائے تو امت مسلمہ کے صاحب اقتدار و صاحب اعتبار لوگوں کی طرف سے تعزیتی پیغامات بھیج دئے جائیں۔ ع

بدیں عقل و دانش بباید گریست

اس کو عقل و دانش کی بات تو نہیں کہی جا سکتی۔ البتہ اس کو بزدلی کہا جا سکتا ہے۔

آخر میں تحریکِ جدید نے حضرت الاستاذ کو دھمکی دیتے ہوئے لکھا ہے۔

" اس میں کیا شک ہے کہ بعض لوگوں کی سوچ کا زاویہ اور سمجھ بوجھ کا انداز درست کرنے کی ضرورت ہے" میں تحریکِ جدید پر واضح کرنا چاہتا ہوں کہ تمہاری دھمکیوں سے اب کچھ نہ بنے گا کیونکہ تمہارے شجرہ خبیثہ کی جڑیں تو ہم نے نکال دی ہیں۔ اور قریب ہے کہ اس کو وطنِ عزیز پاکستان سے جلد ان لوگوں کی جھولیوں میں پھینک دیں گے جنہوں نے اس کو کاشت کیا تھا۔ چنانچہ بطور مقدمۃ الجیش کے تمہارا سربراہ پہلے وہاں پہنچا دیا گیا ہے۔ اور نہ اہلِ حق کبھی اہلِ باطل سے دبے ہیں۔

آخر میں حکومت سے پر زور مطالبہ کرتا ہوں کہ قادیانیوں کو لگام دیں ورنہ حالات کی خرابی کی ساری ذمہ داری حکومت پر عائد ہوگی۔ اور حکومت پر یہ بھی واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ استاذ محترم کو اس کے بعد جو بھی تکلیف پہنچی تو اس دھمکی کے پیشِ نظر ہمارے مجرم ربوہ کے قادیانی ہوں گے۔

سیف اللہ، خادم دار العلوم حقانیہ۔ اکوڑہ خٹک

مکتوب مکۃ المکرمہ | جناب صدر مملکت، وزیر اعظم اور افسرانِ اعلیٰ حکومت پاکستان

السلام علیکم ورحمۃ اللہ تعالیٰ وبرکاتہ،

قوم سے کئے ہوئے وعدہ کی خلاف ورزی اور شریعت مطہرہ کے مکمل طور پر نافذ نہ کرنے کی نحوست کی بنا پر یہ عذاب خداوندی بصورت خانہ جنگی نازل ہو گیا ہے۔ جس کو سوائے قانونِ شرعیہ کے اور کوئی قانون حتیٰ کہ مارشل لاء و کرفیو بھی ختم نہیں کر سکتا خواہ وقتی طور پر چند دنوں کے لئے امن و امان ہو جائے لیکن یہ آگ

خدائی آگ ہے جو بجھنے والی نہیں۔ لہٰذا آپ حضرات سے درخواست ہے کہ خدارا اب بھی شریعت مطہرہ خصوصاً شرعی سزاؤں کو اکثریت کی فقہ کے مطابق بلا کسی پس و پیش کے فوراً نافذ فرما دیجئے جس کی برکت سے انشاء اللہ سارے فتنے فساد یکسر و یکدم ختم ہو جائیں گے۔ کیونکہ یہ قانون، قانونِ خداوندی ہے جس کے ساتھ خود خداوند قدوس کی تائید و نصرت ہوتی ہے۔ جس کا ماضی میں بہت کچھ تجربہ ہو چکا ہے۔ اور جس کی برکت سے سعودی عرب میں اب بھی وہ امن و امان دیکھنے میں آ رہا ہے جو دنیا کے کسی بھی ملک میں نہیں ہے۔ عدمِ نفاذ کی صورت میں میں ببانگ دہل اعلان کر رہا ہوں اور بلد اللہ الامین سے کہ نہ پاکستان باقی رہے گا اور نہ آپ۔ لہٰذا خود اپنی جانوں پر رحم فرمائیے اور اپنے آپ کو تباہی میں مت ڈالئے۔ دشمن سر پر کھڑا ہے جس سے کسی رحم و کرم کی توقع نہیں۔ اسپین، سمرقند اور بخارا کی تاریخ سامنے ہے۔ فقط والسلام

الفقیر الی اللہ و رحمتہ محمد فاضل عثمانی از بلد اللہ الامین

مدارس عربیہ میں تربیت اخلاق کا اہتمام

علی العموم مدارس عربیہ میں تربیت اخلاق کا فقدان ہے۔ وہ مدارس عربیہ جن کی تاریخ بتاتی ہے کہ وہاں سے فقیہہ، محدث، مجدد، مجاہد اور صوفی علماء نکلا کرتے تھے اب انہی مدارس کے فارغین بے چارے بے حال پھرتے ہیں۔ ان کی عبادات کی طرف نظر کی جائے یا ان کے معاملات کو دیکھا جائے تو سوائے مایوسی کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اس میں شک نہیں کہ ان حضرات نے دین کے ظاہری پہلو کو خوب سنبھالا دیا ہوا ہے اور یہ بھی اس بے دینی کے دور میں بسا غنیمت ہے لیکن یہ فرمائیے کیا صرف دین کے حروف و نقوش کے ابلاغ سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی تعلیمات کا ابلاغ ہو جائے گا؟ اگر ایسے ہو سکتا تو آقائے مخدوم صلی اللہ علیہ وسلم مسائل نماز کی تعلیم کے بعد صلوا کما رأیتمونی أصلی کیوں ارشاد فرماتے؟ اور حضرات صحابہ کرام کے اعمال و عادات کی نگرانی کیوں فرماتے؟

روایات میں آتا ہے کہ لوگ حضرت علیؓ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر ہو کر کہتے تھے کہ ہمیں بتائیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیسے وضو کرتے تھے؟ یہ حضرات عملاً وضو کر کے فرماتے ہٰذا وضوء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ درسیات کے ساتھ ساتھ عملی مشق بھی سیکھنے اور سکھانے کی ضرورت ہے۔ آپ ہی ارشاد فرمائیے کہ آج کل کتنے مدارس میں علوم دینیہ کی تعلیم کے ساتھ ساتھ ان مسائل کی عملی مشق کرائی جاتی ہے؟ انجام یہ ہوتا ہے کہ سنن عادات کا اہتمام تو بہت بڑی بات ہے اکثروں سے واجبات ترک ہوتے اپنی گناہ گار آنکھوں سے دیکھا ہے۔ اپنی ناقص عقل میں تو اس کی یہ وجہ آتی ہے کہ مدارس عربیہ کے منتظمین کو اس طرف التفات نہیں ہوتا۔ ورنہ اگر منتظمین مدرسہ میں داخل ہونے والے طالب پر ضابطہ اخلاق نافذ کریں۔ خود بھی پابندی کرائیں نیز طلباء کے سامنے اخلاق نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا عملی نمونہ پیش کریں۔ خود بھی اتباع سنت کا خیال رکھیں۔

اور طلبا کو بھی ہر موقع کی سنتیں یاد کرائیں اور ان کی ہر موقع یاد دہانی بھی کرائیں۔ اور بے ضابطگی پر مناسب طریق سے فہمائش بھی کریں ان کے سامنے اچھے اور برے اعمال کی جزا و سزا کا بھی تذکرہ کیا جائے۔ تو کوئی وجہ نہیں کہ دورِ اول کی یاد تازہ ہو جائے۔

مولانا محمد نعیم اللہ فاروقی ۔ لاہور

تعلیمی انعامات میں اداکاروں کا تعارف

روزنامہ جسارت کراچی کی ۶ ر دسمبر کی اشاعت میں ایک خبر شائع ہوئی کہ گورنمنٹ گرلز سیکنڈری سکول ۱ ڈرگ کالونی کراچی کی ہیڈ مسٹریس نے مذکورہ سکول کی طالبات کو ایک تقریب میں انعام کے طور پر اپنے دستخط اور سکول کی مہر کے ساتھ ایک کتاب تقسیم کی کتاب کا نام تھا "برصغیر پاک و ہند کے ۱۰۰ مشہور اداکار" اِنا للہ و اِنا الیہ راجعون ۔

اس افسوسناک حرکت پر یہی کہنا کافی ہے ؎

گلا تو گھونٹ دیا اہلِ مدرسہ نے تیرا
کہاں سے آئے صدا لا الٰہ اِلا اللہ

اس اخبار کی اطلاع کے مطابق اس کتاب میں اشوک کمار، رتن کمار، اوم پرکاش، پردیپ کمار اور اسی طرح کے ایک سو اداکاروں کے بارے میں ڈیڑھ ہزار سے زائد معلوماتی سوالات مع جوابات جن میں ان کی پہلی فلم، پہلی ہیروئن، شادیوں اور فلموں وغیرہ کی تعداد شامل ہے ۔

مروجہ غیر اسلامی نصاب تعلیم کی بدولت پہلے ہی نوجوان نسل کی اخلاقی تباہی اور دین سے دوری کیا کم تھی کہ رہی سہی کسر مذکورہ سکول کی ہیڈ مسٹریس نے نکال دی ۔

بڑا دکھ تو اس بات کا ہے کہ یہ ظلم عظیم دن دہاڑے اس ملک میں ہو رہا ہے جس کا قیام نوجوان نسل کو اداکاری کی تعلیم دینے کے لئے نہیں بلکہ اس ملک سے فحاشی پر مبنی اداکاری ختم کرنے اور اس ملک میں اسلام کی لامثل و لا مثال مقدس تعلیمات کا نفاذ تھا اور پھر ایسے حکمرانوں کے دورِ حکومت میں ہو رہا ہے جو رات دن اسلام اسلام کی گردان کرتے نہیں تھکتے ع

تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم

اب یہ اسلامی نظام کے نفاذ کے دعوے دار حکمرانوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ مسلمان بچیوں کو اداکاری کا درس دینے والی اس ہیڈ مسٹریس کو اداکاری گھر کی طرف بھیجتے ہیں یا اسلام کے نفاذ میں "ممد و معاون" بننے کے لئے اسے مزید ترقی دیتے ہیں ۔

محمد سعید، دار السعید، حویلیاں ۔
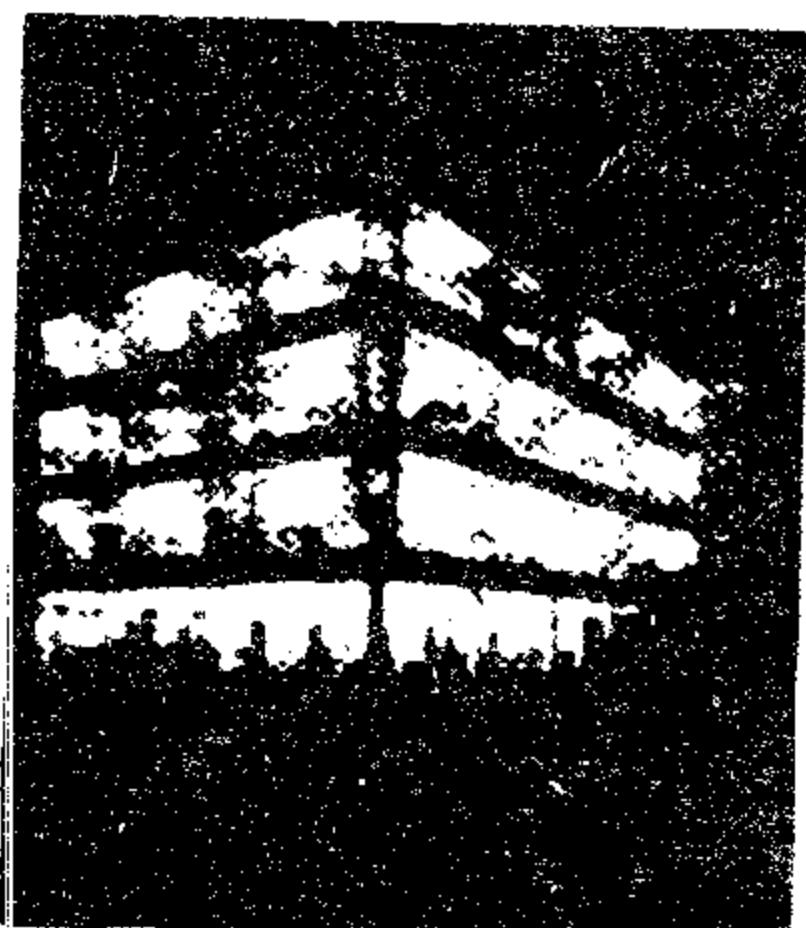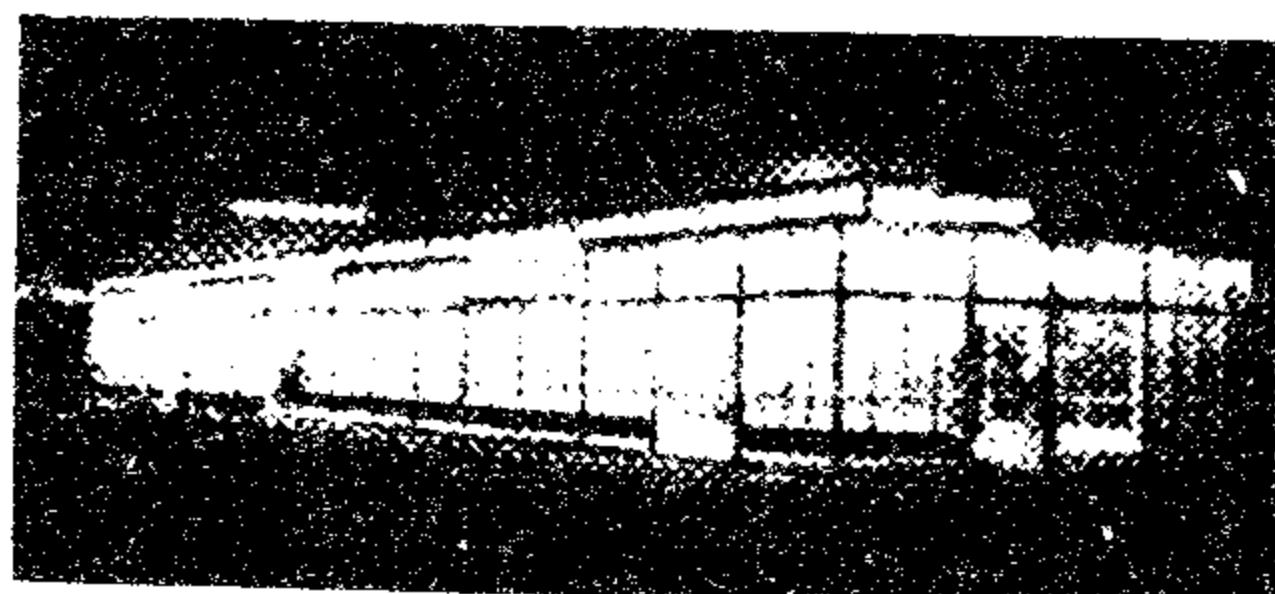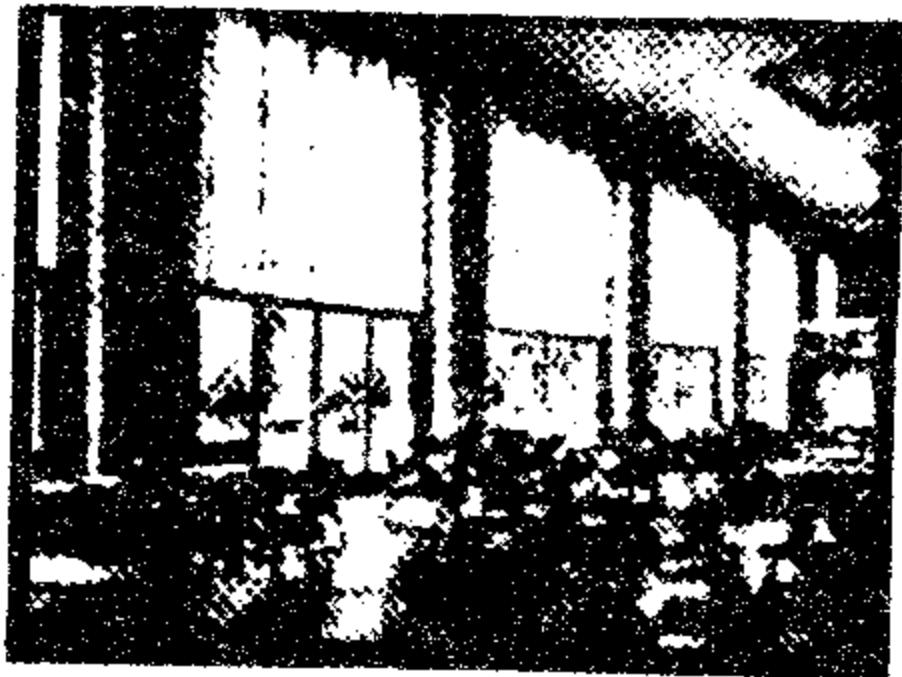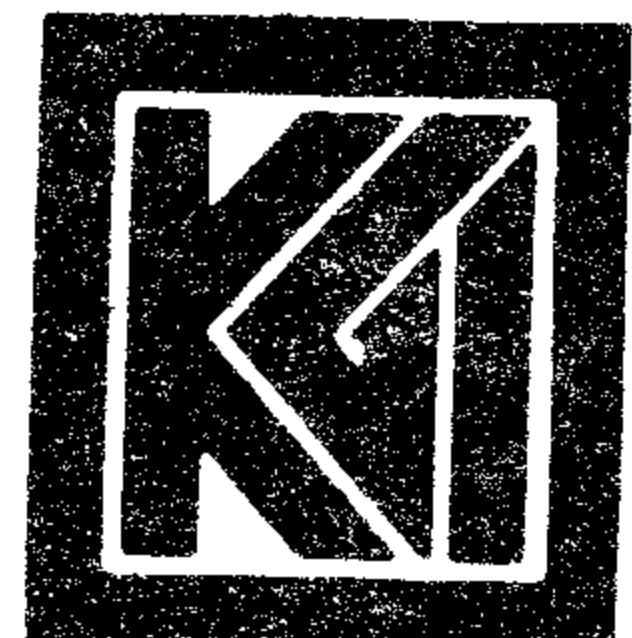
طلبہ دارالعلوم سے مولانا شاہ ابرار الحق کا خطاب

حضرت العلامہ مولانا شاہ ابرار الحق صاحب حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے خلیفہ اجل، اکابر علماء دیوبند اور اسلاف کی یادگار ہیں۔ گذشتہ دنوں بھارت سے پاکستان تشریف لائے۔ تو ۱۷ر نومبر کو دارالعلوم حقانیہ میں بھی قدم رنجہ فرمایا۔ حضرت مولانا فقیر محمد صاحب مدظلہ خلیفہ حضرت تھانویؒ کے صاحبزادے مولانا عبدالرحمٰن صاحب اور مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی کے برخوردار بھی ان کے ہمراہ تھے۔ اس موقع پر دارالحدیث میں طلبہ دارالعلوم سے مختصر مگر جامع اور ایمان افروز خطاب بھی فرمایا جسے احقر نے قلم بند کر لیا۔ افادہ عام کی غرض سے نذر قارئین ہے (ع ق ح)

روشنی اللہ کی نعمت ہے روشنی کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ دیکھنے والوں کے چہرے نظر آئیں۔ اور خدا تعالیٰ کی عظیم روشنی ہے۔ اہلِ لاہور نے بلایا تھا۔ پشاور حضرت مولانا فقیر محمد صاحب (خلیفہ حضرت تھانویؒ) کی خدمت میں حاضری ہوئی۔ تو خدا تعالیٰ نے آپ کے ہاں بھی حاضری کی توفیق ارزانی فرمائی۔ طلبہ کی زیارت بھی ہو جائے گی۔ اور تھوڑی دیر دین کی باتیں بھی۔ خدا تعالیٰ عمل کی توفیق ارزانی فرماتے۔

عزیز دوستو! ہر انسان کا ایک منصب، درجہ، مقام اور رتبہ ہوتا ہے۔ اپنے مقام منصب اور رتبہ و درجہ کو سمجھ کر معاملہ کرتا ہے۔ دوسرا یہ کہ انسان رتبہ و مقام سے قطع نظر اپنے فہم اور اپنی سمجھ کے موافق عمل کرتا ہے۔

اس کو آپ اس مثال سے بآسانی سمجھ سکتے ہیں جو ۵۰۰ سال کا ایک مشہور تاریخی واقعہ ہے۔ ایک شخص پریشان حال اور بے چین ایک شہر میں پہنچے بے چارے بوڑھے تھے مزدوری ان کا ذریعہ معاش تھا۔ اس شہر کے رئیس کے ہاں مزدوروں اور بوڑھوں کے قیام کا انتظام تھا۔ اس بوڑھے مزدور نے بھی اس رئیس کے ہاں چند روز قیام کیا، چارپائی ملی، کھانا بھی ملتا رہا، مگر چند روز قیام کے بعد رئیس شہر کو معلوم ہوا کہ یہ بوڑھا مزدور اس کا والد ہے۔ نیرنگئ تقدیر نے بچھڑنے کے بعد پھر دونوں کو ملا دیا۔ جب رئیس شہر کو معلوم ہوا کہ بوڑھا مزدور میرا والد محترم ہے۔ پھر تو اس کا رویہ، ادب و احترام، خدمت و تعلقِ خاطر بدل گیا۔ پہلے وہ اسے عام مزدور اور ایک نووارد سمجھ کر

اپنی سوجھ بوجھ اور فہم کے مطابق اس کی خدمت کرتا رہا۔ اب جب کہ اسے اس کا مقام و رتبہ اور درجہ و نسبت معلوم ہوئی تو اسی کو ملحوظ رکھ کر معاملہ بدل گیا۔

عزیز طلبہ! ہم سب طالب علم ہیں تو ہم بھی عام انسانوں کی طرح ایک انسان ہیں مگر ہم مرتبہ اور مقام طالب العلم والعمل ہے۔ آہستہ آہستہ عمل کٹ گیا اب صرف طالب علم رہ گیا۔ طالب کا معنی چاہنے والا، عاشق زار۔ پہلے زمانہ کے طلبہ میں جس طرح علمی تکرار ہوتا تھا اسی طرح عملی تکرار بھی ہوتا تھا۔ مگر اب صرف علم رہ گیا ہے اور عمل نہیں رہا علمی تکرار تو اب بھی ہوتا ہے لیکن عملی تکرار کی طرف کسی کی توجہ نہیں ہوتی۔

وضو کی سنتیں یاد ہیں۔ نماز میں سنتیں یاد ہیں۔ فرائض اور مستحبات یاد ہیں کتابیں پڑھ لی ہیں مگر سنت کے مطابق ان پر عمل کرنے والے کم ہی نظر آئیں گے۔ بھائیو! علمی تکرار کی طرح عملی تکرار بھی مقرر کر لو۔ اس کے لئے اپنا دینی دوست بنالو۔ دینی دوستوں کی بڑی فضیلت اور مقام ہے۔ عرش کے سایہ تلے ان کو جگہ ملے گی۔ دینی دوست سے حاصل کردہ علم پر عملی کی تکرار کیا کرو۔

آج اقامت کی عملی مشق نہیں اذان کی مشق نہیں، اذانیں ہوتی ہیں، اقامتیں ہوتی ہیں۔ مگر سنت کے مطابق اذان و اقامت کا ہونا نادر ہے۔ شرح وقایہ کو سامنے رکھو اور آج کی اذان و اقامت پر غور کرو۔ کم موافقت نظر آئے گی۔

علامہ عبدالوہاب شعرانی لکھتے ہیں کہ کوئی بات کسی بھی درجہ میں نامناسب ہوگی تو دل میں ضرور کھٹکے گی۔ تو اسے چھوڑ دینا چاہئے۔ اللہ کو دو رنگ پسند نہیں ایک رنگ ہونا چاہئے۔ اعمال کا بھی، ظاہر اور باطن کا بھی۔

کپڑوں کا رنگ بھی سفید ہونا چاہئے۔ جیسے اللہ نے پسند کیا ہے۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند کیا ہے۔ فرانس میں ۸۰ فیصد کاروں کا رنگ سفید ہے۔ اسلام کی اچھی چیزوں کو اسلام دشمن لوگ لے رہے ہیں۔ اور اہل اسلام انہیں ترک کر رہے ہیں۔

طلبہ دارالعلوم میں قیام کریں تو دارالعلوم کا احترام، درسگاہ اور قیام گاہ کا احترام اور صفائی کو ہر وقت ملحوظ رکھنا چاہئے۔ ایسا بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ درسگاہوں اور قیام گاہوں میں روٹی کے ٹکڑے پڑے ہوتے ہیں۔ ہفتوں ان کو اٹھانے اور سنبھال کر رکھنے کی نوبت نہیں آتی۔ یہ بے سلیقہ زندگی ہے اس سے طعام کی برکتیں ختم ہو جاتی ہیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ رزق کی برکت اس کا آخری حصہ ہے۔ اگر انگلی پر لگ جائے تو انگلی کو چاٹ لینا چاہئے برتن میں بچ جائے تو اسے چاٹ لینا چاہئے۔ اور اگر اسے ضائع کر دیا گیا تو رزق میں تنگی ہوگی۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ اگر مکان کے سامنے میدان ہے تو اس پر بھی کوڑا کرکٹ نہیں چھوڑنا چاہئے صفائی اختیار کرو۔ ورنہ یہود کے ساتھ مشابہت ہوگی حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے فرمایا جب مکان کے سامنے کوڑا کرکٹ یہود کی مشابہت کی وجہ سے نہیں چھوڑا گیا تو یہود کی چیز اگر کمرہ میں ہو، گھر میں ہو، درسگاہ میں ہو تو اسے

شریعت کب برداشت کر سکتی ہے۔ کمرہ صاف ہو کپڑے صاف ہوں، درسگاہ صاف ہو تو مطالعہ و عبادت میں لذت محسوس ہوتی ہے۔

دیکھئے، عرب میں پانی کی قلت تھی۔ بے جا پانی بہانا اور وضو میں بھی زیادہ پانی استعمال کرنا اسراف قرار دیا گیا مگر اس کے باوجود ایام حج میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو علی الوضوء کو بہتر اور پسندیدہ عمل قرار دیا کہ سفر کی گرد و غبار سے صفائی ہو جائے گی۔ اور برکات و انوار اس پر مستزاد ہیں۔

ہردوئی میں اللہ کی مہربانی ہے۔ ایک چھوٹا سا مدرسہ قائم کرنے کی توفیق ارزانی فرمائی ہے۔ بزرگوں کی باتیں سننے سنانے اور ان پر عمل کرنے کی برکت ہے۔ کہ ہم نے اپنے مدرسہ میں ایسا نظام رکھا ہوا ہے جیسے شادی کا موقعہ ہو یا سالانہ جلسہ ہو اور مہمانوں کی آمد کے موقع پر خصوصی توجہ دی جاتی ہے۔ ہمارے ہاں وہاں مدرسہ میں ایک جدید تعلیم یافتہ اچانک مدرسہ آئے۔ صبح کے ۸ بجے تھے۔ مدرسہ دیکھنے کی خواہش کی۔ میں نے دارالاقامہ کی چابیاں منگائیں کہ طلبہ جب تعلیم میں مصروف ہو جاتے ہیں تو درسگاہوں میں ہی وقت تعلیم رہتے ہیں۔ اوقاتِ تعلیم میں انہیں اپنے قیام گاہوں اور ہاسٹل میں آنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ طالب علم بیمار ہو جائے تو شفاخانہ میں رہے گا۔ عمر کے تناسب سے لڑکوں کو مختلف ہاسٹلوں میں رکھا جاتا ہے۔ صفائی ستھرائی کا کام بھی طلبہ خود کرتے ہیں۔ غیر ملکی طلبہ جو مالی حالت کے اعتبار سے خود کفیل ہیں مگر پھر بھی صفائی وغیرہ کا کام وہ خود انجام دیتے ہیں۔ طلبہ کے لئے کوڑا دان علیحدہ اور کاغذ دان علیحدہ بنایا ہوا ہے۔ کیونکہ کاغذ آلاتِ علم سے ہے، اکرام کی چیز ہے۔

بہرحال وہ صاحب جب میرے ساتھ پہنچے تو صفائی وغیرہ دیکھ کر ششدر رہ گئے۔ کہنے لگے۔ جی۔ آج کوئی باہر سے مہمان آنے والے ہیں یا کوئی جلسہ کا پروگرام ہے۔ میں نے عرض کیا ہمارے مدرسہ کے طلبہ ہر وقت ایسے ہی تیار رہتے ہیں۔ ان کا مزاج ہی یہی بن گیا ہے۔

بہرحال یہ آپ کی محبت ہے کہ اتنی باتیں ہو گئیں۔ اللہ پاک عمل کی توفیق دے۔ میرا تو معمول ہے کہ وقت ضائع نہیں کرتا۔ کسی بھی مسجد میں پہنچا تو نمازیوں کو کبھی پانچ کے لئے کبھی تین منٹ کے لئے کبھی صرف ایک منٹ کے لئے روک لیا۔ اور بعض اوقات صرف ۳۰ سیکنڈ کے لئے بیٹھے رہنے کی درخواست کی اور تین مسئلے بتا دئے۔ ہردوئی میں نماز فجر کے بعد ایک منٹ کا معمول ہے اور ایک سنت بتا دینا روزانہ کا سبق ہے۔ مہینے میں تیس اور سال میں ۳۶۵ سنتیں بتا دی جاتی ہیں۔ لوگوں کو یاد رکھنا بھی آسان ہوتا ہے اور بوجھ بھی نہیں پڑتا۔ خدا تعالیٰ سب کو عمل کی توفیق ارزانی فرمائے۔ آمین

(ادارہ)

تبصرۂ کُتب

پرویز اور قرآن | مولانا مفتی مدرار اللہ صاحب نقشبندی۔ صفحات ۲۰۸
قیمت ۳۰ روپے۔ ناشر اکرام اللہ شاہد۔ ملنے کا پتہ:۔ محمد اقبال احمد ناظم دفتر ڈسٹرکٹ
خطابت مردان و کلیم اللہ امجد ناظم ادارہ نوائے ملت مردان۔

برصغیر کے ممتاز ملحد آنجہانی مسٹر غلام احمد پرویز جس کو دنیائے اسلام میں منکرِ حدیث کے عنوان سے پہچانا جاتا ہے لیکن درحقیقت وہ نہ صرف منکرِ حدیث (وحی غیر متلو کا منکر) بلکہ قرآن (وحی متلو) سے بھی بیزار ہے۔ جس پر شاہد زیرِ تبصرہ کتاب پرویز اور قرآن ہے۔ گو کہ قرآن اور حدیث کے تلازم سے یہ بات ثابت ہے کہ جو شخص حدیث کا منکر ہے وہ کس طرح قرآن کا قائل ہو سکتا ہے۔ کیونکہ ارشاد ربانی ہے۔

وَ مَا یَنطِقُ عَنِ الْهَوٰی اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوحٰی۔ اور بقول شاعر ؎

مصطفٰےؐ ہرگز نگفتے تا نہ گفتے جبرئیل
جبرئیلش ہم نہ گفتے تا نہ گفتے کردگار

لیکن غلام احمد پرویز نے حیلۂ پرویزی اور تلبیس ابلیسی سے کام لیتے ہوئے یہ مغالطہ دیا تھا کہ میں اہلِ قرآن ہوں اور حدیث درحقیقت قرآن کے خلاف ایک عجمی سازش ہے۔

مولانا مدرار اللہ صاحب مدرار جن کی کئی کتابیں منصۂ شہود پر آچکی ہیں، کی زیرِ نظر کتاب ان مضامین کا مجموعہ ہے جو کہ ماہنامہ الحق میں پرویز منکرِ حدیث ہے یا منکرِ قرآن کے عنوان سے بالاقساط شائع ہوتے رہے۔ انہوں نے ان مضامین کو یکجا کر کے صلائے عام کے لئے کتابی شکل دے دی۔ مؤلف نے پرویز کی کتابوں اور تصنیفات خصوصاً مفہوم القرآن کا بغور بالاستیعاب مطالعہ کیا ہے۔ اور ان سے حوالہ جات مع اپنی تنقید کے پیش کئے ہیں تاکہ تصویر کا دوسرا صحیح رخ بھی سامنے آجائے۔

فتنہ پرویز کو سمجھنے کے لئے یہ کتاب انتہائی مفید اور کارآمد ہے اور واقفیۃً فرق باطلہ کے تعاقب میں قابلِ قدر اضافہ ہے۔ البتہ قیمت پر اگر نظرِ ثانی کی جائے تو مناسب ہے۔ کیونکہ کتاب کی ضخامت کے اعتبار سے

مرقومہ قیمت کچھ زیادہ معلوم ہوتی ہے۔ (ق ا ق)

تہذیب وتمدن پر اسلام کے اثرات واحسانات مولانا سید ابوالحسن علی ندوی۔ صفحات ۱۴۴
قیمت ۱۸ روپے۔ ناشر مجلس نشریات اسلام ناظم آباد ۱ کراچی ۱۸

زیر تبصرہ کتاب عالم اسلام کے نامور مفکر اور ممتاز سکالر سید ابوالحسن علی ندوی کی تصنیف ہے مصنف کا نام ہی کتاب کے لئے سند ثقاہت ہے۔ اسی موضوع پر مولانا کی وقیع کتاب انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر جس کا ترجمہ دنیا کی ممتاز زبانوں میں ہوا ہے اور انتہائی قلیل مدت میں اس کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں اس کتاب کی جتنی پذیرائی عرب وعجم میں ہوئی کسی اور کتاب کی اتنی پذیرائی بایدو شاید۔ تہذیب وتمدن پر اسلام کے اثرات واحسانات بھی اسی موضوع کے ساتھ ملتی جلتی مولانا کی تازہ تصنیف ہے۔ درحقیقت یہ کتاب الاسلام اثرہ فی الحضارۃ وفضلہ علی الانسانیہ کا اردو ترجمہ ہے۔ لیکن ایسا رواں سلیس اور شستہ ترجمہ کہ قاری کو کسی بھی جگہ احساس نہیں ہوتا کہ یہ اصل ہے یا اردو ترجمہ۔ کتاب کے بارے میں مترجم مولانا شمس تبریز خان کا تجزیہ انتہائی فکر انگیز ہے کہ اس میں بڑے واضح اور متعین انداز سے انسانی تہذیب وتمدن پر اسلام کے ناقابل فراموش احسانات اور دور رس ودیرپا نقوش واثرات سے پوری علمی وتاریخی دیانت فکری وتحقیقی متانت اور ایمانی فراست وحکمت کے ساتھ بحث کی گئی ہے۔

کتاب کے موضوع کی آفاقیت اور واقعیت پر تبصرہ کے لئے خود مصنف کے یہ الفاظ حرف آخر ہیں۔

"اسلام اور تہذیب وتمدن ایک زندہ اور واقعاتی موضوع ہے جس کا تعلق بعثت محمدی اور اسلامی پیغام اور تعلیمات ہی سے نہیں بلکہ زندگی کے حقائق انسانیت کے حال ومستقبل اور تہذیب وتمدن کی تعمیر ورہنمائی میں امت مسلمہ کے تاریخی کردار سے بھی ہے۔ یہ اہم موضوع اصلاً انفرادی کوشش کے بجائے کسی اجتماعی ومجلسی محنت کا طالب ہے۔ کیونکہ یہ موضوع اپنے مباحث کی وسعت کے لحاظ سے عالمی وانسانی رنگ کا حامل ہے اور اپنے اندر گہرائی وگیرائی اور بڑے وسیع اعماق وآفاق رکھتا ہے۔ اس کی زمانی مدت پہلی اسلامی صدی سے لے کر موجودہ صدی تک اور اس کی مکانی مسافت دنیا کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک پھیلی ہوئی ہے۔ اور اس کی معنوی وسعت عقائد سے اعمال واخلاق تک اور انفرادی واجتماعی زندگی سے سیاست و قانون اور بین الاقوامی تعلقات تک اور فکری علمی واخلاقی اصلاحات وترقیات سے لے کر فن تعمیر شعر وادب اور ذوق لطیف تک محیط وبسیط ہے۔

اس وسیع وعریض اور طویل الذیل موضوع کے لئے مولانا ندوی کا انتخاب واقعی نیک فال ہے اور ہمیں توقع ہے کہ مولانا کی دوسری وقیع تصانیف کی طرح اس کتاب کا بھی اہل فکر ونظر اور ارباب علم ودانش

انتہائی گرمجوشی سے استقبال کریں گے۔

(فانی)

مجموعۃ الافکار فی توضیح الاذکار مؤلف۔ ابو العتیق مولانا سعید الرحمن صاحب۔ صفحات ۴۲۹۔ قیمت ۴۵ روپے۔
ملنے کا پتہ:۔ دارالعلوم سعیدیہ۔ اوگی تحصیل و ضلع مانسہرہ (ہزارہ)

"تم مجھ کو یاد کرو۔ میں تم کو یاد کروں گا" اس سے بڑھ کر ایک انسان کے لئے اور کیا بزرگی ہو سکتی ہے کہ بندہ جس کی حقیقت ایک مشتِ خاک ہے۔ اس خاکی پتلے فرشِ زمین پر رہنے والے کو رب کائنات عرشِ بریں پر یاد فرمائے۔ اس بلند و بالا درجہ کے حصول کا اہم ذریعہ "ذکرِ الٰہی" ہے۔ ذکر کی حقیقت کیا ہے؟ اہمیت کیا ہے؟ اور طریقہ کیا ہے؟ زیرِ نظر کتاب میں ان ہی مسائل کو بیان کیا گیا ہے۔

مؤلف کتاب مولانا سعید الرحمن صاحب المعروف خطیب صاحب، ہزارہ ڈویژن کے جید عالم باعمل اور مشہور خطیب ہیں۔ علاقہ میں جہالت، بے علمی، مروجہ رسومات اور بدعات کے استحصال اور اہمیت ذکر پر ۴۲۹ صفحات کی یہ ضخیم کتاب تصنیف فرمائی۔ کتاب کے اکثر حصوں میں ذکر کی اہمیت، حقیقت، طریقہ مشروع کا بیان اور غیر مشروع طریقہ پر مدلل رد کی گئی ہے۔

قرآن و حدیث کی نصوص کے علاوہ معتمد مفسرین، بزرگانِ دین اور اہل اللہ کی عبارات اور فرمودہ اقوال کے حوالہ جات نے مسئلہ کو محقق اور مدلل بنا دیا ہے۔ کتاب میں کہیں کہیں مناظرانہ جھلک بھی نمایاں ہے اور کبھی جرح و تنقید کا یہ الماس کبھی بدعت کو چھیڑ لیتا ہے۔ تاہم تقابلی طریقہ اختیار کر کے سنت کی اہمیت اور فلسفہ بیان کرنے سے کتاب کا حسن بڑھ جاتا ہے۔ کثرت حوالہ جات کی وجہ سے کتاب کی اہمیت میں اور بھی اضافہ ہو جاتا ہے لیکن حوالہ جات کے باہمی ربط و مناسبت سے تسلسل اور روانی مضمون میں کوئی فرق نہیں آیا۔ طباعت عمدہ ہے۔ عوام و خواص سب کے لئے یکساں طور مفید ہے۔

(مفتی غلام الرحمن)

بقیہ:۔ **صحبتے با اہل حق**

خدمت میں حاضر ہوئے اور حافظ راشد الحق کے حفظ القرآن کے مکمل کرنے کی مبارک باد پیش کی۔ حافظ راشد الحق شیخ الحدیث مدظلہ کے پوتے اور مدیر الحق جناب مولانا سمیع الحق کے منجھلے صاحبزادے ہیں انہوں نے اس سال مولانا قاری عمر علی صاحب سے حفظ القرآن مکمل کر لیا ہے۔ حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے مسرت کا اظہار فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ یہ اساتذہ کرام جو خدمت دین کر رہے ہیں اور قرآن کی تعلیم کو عام کر رہے ہیں یہ سب سے پسندیدہ اور مقبول عنداللہ کام ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے خیرکم من تعلم القرآن وعلمہ تم میں بہتر وہ ہے جو خود قرآن سیکھتا ہے اور دوسروں کو سکھاتا ہے خدا تعالیٰ سب کو حدیث کا مصداق بنائے اور اجر عظیم عطا فرمائے خدا تعالیٰ کے خزانوں میں کوئی کمی نہیں قرآن بڑی نعمت ہے اور اس پر عمل کرنا ہی کامیابی ہے حضرت شیخ الحدیث مدظلہ ختم قرآن کی خبر سے خوش ہوئے اور تینوں اساتذہ کو دعائیں دیں اور اپنے ہاتھ مبارک سے انہیں رقم [illegible]

AL-HAQ
REGD. NO. P.90
موتمر المصنفین کی تازہ، عظیم اور شاہکار پیشکش
ایک نادر تحفہ ——— ایک عظیم خوشخبری
حقائق السنن
جلد اوّل
(شرح جامع السنن للامام الترمذی)
شائع ہو گئی ہے
• افادات — محدث یگانہ علامۂ عصر شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ بانی دارالعلوم حقانیہ۔
• باہتمام و نگرانی ——— مولانا سمیع الحق مدیر الحق و صدر موتمر المصنفین۔
• ترتیب و مراجعت ——— مولانا عبدالقیوم حقانی۔
حدیث کی جلیل القدر کتاب جامع ترمذی شریف سے متعلق شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ کے درسی افادات و آمالی کا عظیم الشان علمی سرمایہ اردو زبان میں پہلی بار منصہ شہود پر۔ اہل علم، اساتذہ اور طلباء دورۂ حدیث ایک زمانہ سے اس کے انتظار میں تھے۔
چند خصوصیات
• حدیثی و فقہی مباحث کا شاہکار
• مسلک احناف کے ٹھوس دلائل اور دلنشین تشریح
• معرکۃ الآراء مباحث پر فقیہانہ اور حکیمانہ کلام
• چالیس سالہ تدریسی معارف و نکات کا مجموعہ۔
• نقد احادیث کے نادر مباحث کا ذخیرہ
• انداز بیان نہایت عام فہم اور سادہ
• حدیث سے متعلق سیر حاصل مباحث پر مشتمل مقدمہ
• نہایت تحقیقی تعلیقات اور اضافے۔
۲۲ × ۲۹ سائز کے تقریباً ساڑھے پانچ سو صفحات پر مشتمل پہلی جلد جامع ترمذی کے "الطہارات" کے ایک سو گیارہ ابواب پر مشتمل ہے۔
کاغذ، کتابت و طباعت، جلد بندی ہر لحاظ سے معیاری اور شاندار۔ قیمت ۱۲۵ روپے
طلباء، اہل علم و مدارس کے لئے خاص رعایت
موتمر المصنفین دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک۔ ضلع پشاور